REGD. No. M-266 NOVEMBER 1993
MONTHLY AANKH MICHOLEE KARACHI

BOOK FAIR
145

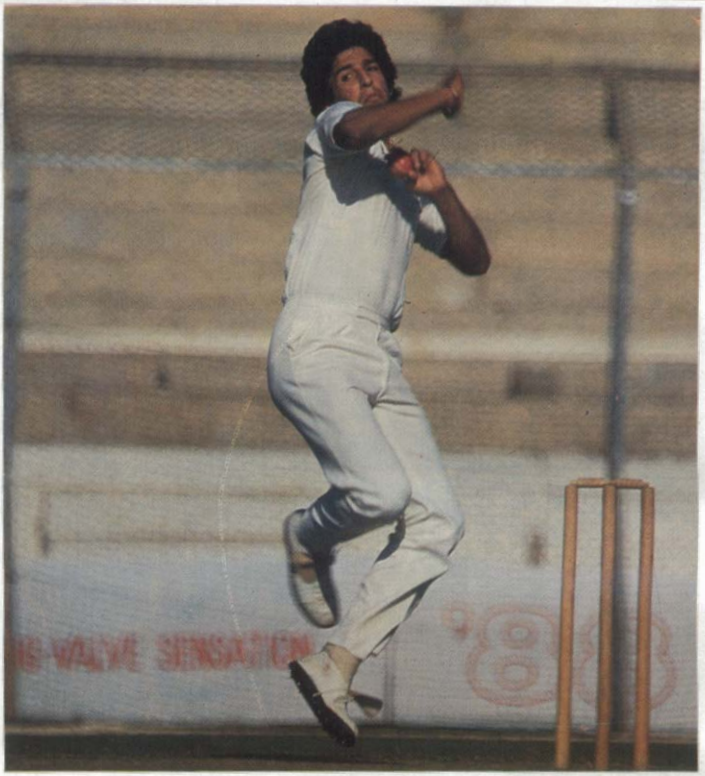

مہارت کی بلندی۔ پی آئی اے کی جستجو
اب فضائی حدود سے بڑھ کر

ہماری خوب سے خوب تر کی جستجو ہماری فضائی کارکردگی کے شعبوں سے لے کر کھیلوں کی دنیا تک وسیع ہے۔
ہم کھلاڑیوں کو تربیت دیکر ان کو عالمی چیمپین بننے میں مدد کرتے ہیں۔ اندرون ملک ہم ایسے ٹورنامنٹ کا انعقاد کرتے ہیں، جہاں
وہ اپنی مہارت کا بھرپور مظاہرہ کرتے ہیں اور دنیا بھر میں ہر اس مقام تک پہنچاتے ہیں جہاں کھیلوں کے مقابلے منعقد ہو رہے ہوں۔

PIA
پاکستان انٹرنیشنل
باکمال لوگ۔ لاجواب پرواز

آخری بات

شیخ ہلال احمد قادری

اچھی عادتیں رکھنے والے کو سب پسند کرتے ہیں اور بُری عادتوں والے سے لوگ دور بھاگتے ہیں۔

بہت سے لوگ بُری عادتوں میں گرفتار ہوتے ہیں مثلاً جھوٹ بولنا، جھوٹی قسمیں کھانا، وعدہ خلافی کرنا، گالیاں دینا وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب بُری عادتیں ہیں۔ ایک بری عادت چوری چھپے کسی کا خط پڑھنا ہے۔ اگر کوئی خط لکھ رہا ہے تو یہ اس کا ذاتی معاملہ ہے دوسرے فرد کو اس کے خط کی بات معلوم کرنے کا کوئی حق نہیں۔ خط ایک راز ہوتا ہے جو خط لکھنے والے اور جس کو خط لکھا جارہا ہے اس کے درمیان ہوتا ہے۔ اگر تیسرا فرد چوری چھپے اس راز کو معلوم کر لے تو یہ بُری بات ہے۔ اس طریقے سے دل بُرے ہو جاتے ہیں۔

اسلام میں دوسروں کے راز معلوم کرنے اور کسی کی ٹوہ لینے سے سختی کے ساتھ منع کیا گیا ہے۔ اس لئے نہ تو کسی کے بارے میں تجسّس کرنا چاہئے اور نہ ہی کسی کا خط پڑھنا چاہئے۔ یہ اخلاقی جُرم ہے۔

آپ تو ایسا نہیں کرتے؟

اپنی نگارشات صاف، خوشخط، کاغذ کے ایک جانب ایک سطر چھوڑ کر لکھیں۔

جو تحریر آپ ہمیں بھجوائیں اس کی نقل اپنے پاس محفوظ رکھیں اور ہم سے واپسی کا تقاضہ نہ کریں۔

نقل شدہ، طویل اور غیر معیاری تحریریں شائع نہ ہو سکیں گی۔

سائنس کارنر

کیا کیوں کیسے

نوشابہ اکرم

بجلی کا بلب کیسے جلتا ہے؟

وہ تار جس میں سے بجلی کا کرنٹ گزر کر بلب تک پہنچتا ہے۔ اتنا موٹا ہوتا ہے جتنا کہ پنسل کا سکہ۔ کرنٹ اس میں سے بغیر کسی رکاوٹ کے گزر جاتا ہے۔ بلب کے اندر ایک بہت باریک تار لگا ہوتا ہے جب کرنٹ اس باریک تار سے جاکر ٹکراتا ہے تو وہ تار گرم ہونا شروع ہو جاتا ہے اور پھر شعلے کی طرح دہکنے لگتا ہے۔

بلب کا تار اتنا گرم ہوتا ہے کہ اگر کھلی ہوا میں ہو تو جل جائے۔ بلب کا شیشہ اس کی حفاظت کرتا ہے۔ بلب بناتے وقت اس میں سے ہوا نکالی دی جاتی ہے اور ایک ایسی گیس بھر دی جاتی ہے جو جلتی نہیں۔

آنکھ مچولی کا سالانہ خریداری کا کوپن

نام _____

مہینہ جس سے رسالہ شروع کروانا چاہتے ہیں _____

رقم _____ بذریعہ _____

پتہ _____

_____

فون نمبر _____

پودے

فرحین ایاز

گھر میں میرے پودے ہیں
پیارے پیارے پودے ہیں
ہرے بھرے ہیں پتے ان کے
لمبے لمبے پتے ان کے

پھولوں والے پودے ہیں
اچھے اچھے پودے ہیں
ان پر پیارے پھول کھلے
رنگ برنگے پھول کھلے

نیلے نیلے پیلے پیلے
اودے اودے رنگ رنگیلے
پیاری تتلی آتی ہے
پھولوں پر منڈلاتی ہے

گھر میں میرے پودے ہیں
پیارے پیارے پودے ہیں

ٹی وی کے چاچا جی کی باتیں

○ کم خوراک "آپ" کھاتے ہیں، زیادہ خوراک "آپ کو" کھاتی ہے۔

○ ریچھ کی دوستی بڑی خطرناک ہوتی ہے۔ جب وہ خوش ہوتا ہے تو گلے لگالیتا ہے۔

○ گلِ داؤدی ایسے موسموں میں کھلتا ہے جب کوئی اور پھول نہیں کھلتا۔ سچا دوست بھی ایسے موسموں میں ساتھ دیتا ہے جب کوئی اور نہیں دیتا۔

○ کچھوے کے ساتھ دوڑ کا مقابلہ کرنے سے پیشتر یہ اطمینان کر لیں کہ کہیں آپ خرگوش تو نہیں ہیں۔

مرسلہ..... صائمہ ارم، واہ کینٹ۔

بھاگے لیکن وہ ہماری آواز نہیں سن سکا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس نے کنویں میں چھلانگ لگا دی۔

شمسو ہمیں تلاش کرنے کے لئے کنویں میں کود چکا تھا۔ ہم نے شور مچا دیا۔ ہوا یہ تھا کہ ہمارے چاچا شہر سے واپس آرہے تھے راستے میں انہوں نے بچّوں کو کنویں کے قریب کھیلتے دیکھا تو ڈانٹ ڈپٹ کر گھر بھیج دیا۔ شمسو سے ہمارے متعلق پوچھا تو اس نے کہا "مجھے پتہ ہے باجی کہاں چھپی ہوئی ہیں؟ میں ابھی انہیں لے کر آتا ہوں۔" چاچا بچوں سے گھر جانے کا کہہ رہے تھے کہ انہوں نے شڑاپ کی آواز اور ہماری چیخ سنی۔ انہیں تیرنا آتا تھا۔ وہ کنویں کی طرف بھاگے۔ ہم خوفزدہ سے کنویں کے کنارے کھڑے تھے۔ چاچا نے بڑی مشکل سے شمسو کو پکڑا۔ بچّوں کی اطلاع پر گاؤں کے دوسرے لوگ بھی پہنچ گئے۔ انہوں نے کنویں میں رسّی لٹکائی اور چاچا شمسو کو پکڑ کر پانی میں شرابور کنویں سے باہر نکل آئے۔

آج جب یہ واقعہ یاد آتا ہے تو ہمارے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔

ہم نے تو ذرا سا جھوٹ بولا تھا۔ اور اس جھوٹ سے اتنا بڑا نقصان پہنچ سکتا ہے اس کا ہمیں اندازہ نہ تھا۔ اگر شمسو کو کچھ ہو جاتا تو شاید ہم اپنے آپ کو کبھی معاف نہ کر پاتے۔

اس دن کے بعد ہم نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔

اقوالِ زریں

افتخار عالم، اسلام آباد

○ ..... اگر تو صاحبِ منزلت ہے تو کسی کے لئے سعی کرنے میں دریغ نہ کر۔

(ارشادِ نبویؐ)

○ جو علم کو دنیا دکھانے کے لئے حاصل کرتا ہے علم اس کے قلب میں نہیں سماتا۔

(حضرت امام ابو حنیفہؒ)

○ دوسروں کے سہارے زندگی بسر کرنا قرآن کی رو سے کافری ہے۔

(علامہ اقبالؒ)

○ اصل کمال علم اور عمل دونوں کے جمع کرنے میں ہے۔

(ابن جوزیؒ)

○ علم بہت ہیں عمر بہت کم۔ تو وہ سیکھ جس سے سب علم میں آجائے۔

(حکیم اقلیدس)

جلیبیاں

اگر اللہ سے محبت کرنے کا دعویٰ کرتے ہو تو اس کے بندوں کی خدمت کر کے دکھاؤ۔

عقل مند آدمی کبھی اپنی مصیبتوں، تکلیفوں اور مشکلوں کا رونا نہیں روتا بلکہ ان کو دور کرنے میں لگا رہتا ہے۔

عاصم، پی اینڈ ٹی کالونی

ذرا سا جھوٹ

سیدہ صدف عرفان، اسلام آباد

یہ ان دنوں کی بات ہے جب ہم گاؤں میں رہتے تھے۔ ہماری عمر اس وقت ساتھ سال تھی جب کہ ہمارا چھوٹا بھائی چار سال کا تھا۔

ہم ہر روز شام کو چھپن چھپائی کھیلا کرتے تھے گاؤں کے بچے بھی ہمارے ساتھ ہوتے تھے۔ ہمارا بھائی شمسو اگرچہ چھوٹا تھا لیکن اس کی ضد پر اماں ہمیشہ اسے میرے ساتھ بھیج دیا کرتی تھیں میری ہمیشہ یہ کوشش ہوتی کہ کھیل میں مجھے چور نہ بننا پڑے اس لئے میں ایسی جگہ چھپنے کی کوشش کرتی جہاں کسی بچے کی نظر مجھ پر نہ پڑے لیکن شمسو ہمیشہ میرے ساتھ چھپتا اور عین موقع پر اسے کھانسی یا چھینک آجاتی اور میں پکڑی جاتی۔

وہ جون کی ایک تپتی دوپہر تھی۔ ہم سب بچّوں نے "کنویں والے حصّے" میں کھیلنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ یہاں گاؤں کا سب سے بڑا کنواں بنا ہوا تھا۔ کنویں والے حصّے کے فوراً بعد درختوں کا ایک چھوٹا سا جھنڈ تھا۔ بچّوں کو یہاں کنویں کی وجہ سے کھیلنے سے منع کیا گیا تھا کہ بچّے اس میں گر سکتے تھے۔ اس "کنویں والے حصّے" کے بارے میں ایک کہاوت مشہور تھی کہ اس زمین کے مالک نے ایک بار کسی بھوکے بچّے کو کھانا کھلانے سے انکار کر دیا تھا جس کی وجہ سے بچّہ مرگیا اور اس کے فقیر باپ نے مالک کو اس کی زمین بنجر ہوجانے کی بددعا دی تب سے زمین کا یہ ٹکڑا بنجر پڑا تھا اس پر چھوٹے چھوٹے ٹیلے تھے، بہت سے لوگوں نے اسے زرخیز کرنے کی کوشش کی، ہل چلایا فصل لگائی مگر اس زمین پر کوئی اثر نہ ہوا۔ فقیر کی بددعا میں اس سے کہیں زیادہ اثر تھا..... ہم سب بچّوں نے یہیں کھیلنے کا پروگرام بنایا تھا۔ رفیق چور بنا تو شمسو ہمارے ساتھ تھا۔ ہم نے شمسو سے کہا کہ تم سامنے والے ٹیلے کے پیچھے چھپ جاؤ ہم اس کنویں میں چھپ جاتے ہیں۔ شمسو نے پہلے تو ہمارے ساتھ چھپنے کی ضد کی لیکن بعد میں مان گیا۔ ہم کافی دور واقع درختوں کے جھنڈ میں چھپ گئے۔ کافی دیر بعد ہم باہر نکلے تو دور سے شمسو کو دیکھا جو کنویں میں جھانک رہا تھا۔ ہم نے اسے آواز دی اور اس کی طرف

..... الکا سب حبیب اللہ ..... عرش سے صدائیں آتیں اور یہ صدائیں صرف وہی سُن سکتے ہیں جو محنت کرتے ہیں اور اللہ کا حق ادا کرتے ہیں۔

ماں کی محنت، اس کی دُعاؤں، اللہ پر بھروسہ اور فرماں بردار بیٹے کی کامیابیاں اس منزل تک لے گئیں جہاں صرف محنت کرنے والے پہنچتے ہیں۔ عاصم تمام امتحانات پاس کرنے کے بعد ڈاکٹر بن گیا تھا۔ ماں کو یہ خوش خبری بنانے کے بعد وہ کہہ رہا تھا:

"اماں! تم محنت کر کر کے کتنی کمزور ہو گئی ہو۔ اب تم محنت نہیں کرو گی اب یہ فرض میں سر انجام دوں گا۔" ماں خوشی سے روتی جا رہی تھی اور بیٹے کا منہ چُوم کر کہتی جا رہی تھی:

"اللہ! تیرا شکر ہے ..... اللہ! تیرا شکر ہے تو نے میری مراد پوری کر دی ..... تو عظیم ہے تو رحیم ہے ..... اور عرش کا مالک نیلے آسمان سے صدائیں بھیج رہا تھا:

الکا سب حبیب اللہ ..... الکا سب حبیب اللہ

چڑیا

غلام مرتضیٰ

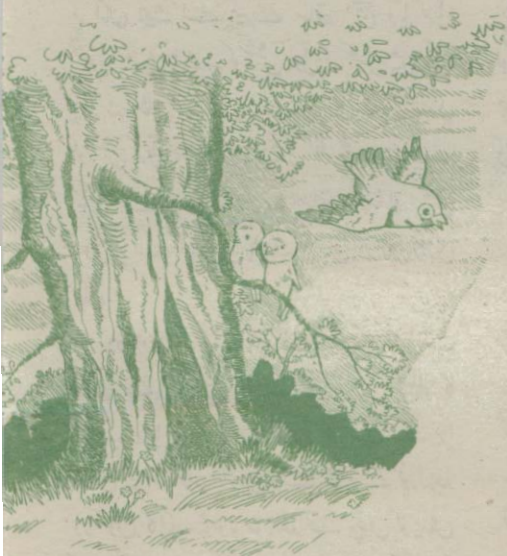

چوں چوں کرتی آئے چڑیا
پھُر سے پھر اڑ جائے چڑیا
دانہ دنکا چُگتی جائے
بچوں کو بھی خوب کھلائے
چڑیا کے دو ننھے بچے
کتنے پیارے کتنے اچھے
کالا کوّا انڈے کھائے
دیکھے چڑیا تو اڑ جائے

بلّی چھپ کر آتی ہے جب
چڑیا شور مچاتی ہے تب
بلّی کو وہ دور بھگائے
بچوں کی وہ جان بچائے

اللہ دوست ہے .....

اطہر اقبال صدیقی

دنیا اُمید پر قائم ہے۔ ماں کی دنیا عاصم سے قائم تھی۔ شوہر کی موت کے بعد اس کی تمام تر توجہ اپنے ننھے بیٹے پر مرکوز ہو گئی تھی۔ اس کا خواب تھا کہ اس کا بیٹا پڑھ لکھ کر بڑا آدمی بنے۔ عاصم جب کچھ بڑا ہوا تو ماں نے اسے اسکول میں داخل کرا دیا اور محنت مزدوری کر کے اس کے پڑھنے لکھنے کھانے پینے کا خرچ برداشت کرنے لگی۔ جانداروں کو روزی اللہ دیتا ہے اور جن کا سایہ سر سے اٹھ جائے ان کے سر پر اللہ کا سایہ ہوتا ہے۔ اللہ جو عظیم ہے، جو سب کی دُعائیں سُنتا ہے اور جو محنت کرنے والوں کو ایک دن ان کی محنت کا صلہ دیتا ہے۔

عاصم کو بڑا آدمی بنانے کے لئے ماں کے شب و روز محنت و مشقت میں گزرنے لگے۔ عاصم پڑھنے لکھنے میں بہت تیز تھا اس کے استاد اس کی قابلیت سے بہت خوش تھے لیکن بہت زیادہ خوشی ماں کو تھی جو اپنی اُمید اپنی آرزوؤں کو پروان چڑھتا دیکھ رہی تھی۔

وقت کا پہیہ گھوم رہا تھا۔ ماں کے سر کے بالوں میں چاندی کے تار نمایاں ہونے لگے تھے۔ محنت و مشقت نے اسے کمزور بھی کر دیا تھا لیکن وہ عاصم کی کامیابیوں کی خبریں سُن سُن کر خود توانا محسوس کرتی۔ اس کے ہاتھ جنہوں نے عاصم کو پالا تھا اللہ کے حضور دُعاؤں کے لئے اُٹھ جاتے۔

"اللہ! تو بڑا غفور الرّحیم ہے۔ میں نے عاصم کے لئے بڑی محنت ہے۔ تو اسے بڑا آدمی بنانا۔"

ماں کی ہتھیلیاں آنسوؤں سے بھیگ جاتیں اور جو نیلی چھتری کا مالک ہے اور جو سارے جہانوں کا رب ہے ماں کی دعائیں اس کے حضور جمع ہوتی رہتیں۔

"اکا سب حبیب اللہ، محنتی کو اللہ دوست رکھتا ہے

سب کا عجائب گھر

محمد رضوان، لاہور

لاہور کو تاریخی عمارات کا شہر کہتے ہیں۔ ان تاریخی عمارتوں میں ایک عجائب گھر ہے۔ یہ شاہراہ قائداعظم پر واقع ہے۔

عجائب گھر کا سنگ بنیاد ڈیوک آف کلارنس اینڈ ایونڈل شاہزادہ البرٹ کمٹر نے رکھا اور اس کا قیام ۲۰ جنوری ۱۸۶۴ء میں عمل میں آیا۔

عجائب گھر میں ہر قسم کے نوادرات رکھے ہیں۔ عجائب گھر میں کئی قسم کے بت ہیں جن میں سب سے بڑا بت ملکہ وکٹوریہ کا ہے جو اس کی عظیم سلطنت کی یاد دلاتا ہے۔ عجائب گھر میں بہت سی گیلریز ہیں جن میں کچھ اس طرح سے ہیں۔ عجائب گھر میں داخل ہوتے ہی دو قدیم دروازے ہیں اس کے بائیں طرف متفرق گیلری ہے دائیں طرف سے چلیں تو آگے پینٹنگز گیلری ہے اس میں ہر قسم کی پینٹنگز کے نمونے ہیں آگے کچھ دفاتر ہیں جو عجائب گھر کو منظم رکھنے کے لئے کوشاں ہیں۔ بائیں طرف سیڑھیاں ہیں۔ اوپر جا کر عجائب گھر کی سب سے اہم جگہ تحریک پاکستان گیلری ہے۔ اس میں پاکستان کے قبل کے حالات ہیں اور مغل شہنشاہوں اور دوسرے مسلمان فاتحین کے نقوش درج ہیں۔ اس جگہ ٹیپو سلطانؒ کے بارے میں مکمل فیچر ہے۔ علامہ محمد اقبالؒ اور قائداعظم محمد علی جناحؒ کی حالات زندگی ہیں۔ مسلمانوں پر ڈھائے جانے والے مظالم، مسجدیں شہید کرنے کی داستانیں بھی ہیں۔

اس عظیم تحریک پاکستان گیلری کے نیچے آکر بائیں طرف جدید کرافٹ گیلری ہے۔ آگے جائیں تو پاکستان کی ٹکٹوں کی گیلری ہے۔ جس میں پاکستان بننے سے اب تک کی تمام ٹکٹ اور سونیئر شیٹ موجود ہیں۔

باہر کی طرف آتے ہوئے عجائب گھر کے گیٹ کے قرب اس کی تمام تاریخ اور نقشہ ہے جس کو بڑی حفاظت سے سجایا گیا ہے۔

غرض یہ کہ عجائب گھر قدیم عمارتوں میں سے ایک جیتا جاگتا نمونہ ہے اور ظاہر کرتا ہے کہ صدیوں پہلے کتنی عظیم اشیا اور عمارات تھیں اس کے ساتھ ساتھ لاہور کی شان کو بھی چار چاند لگاتا ہے۔ ایک گیلری میں علامہ محمد اقبالؒ کے شعر آویزاں ہیں۔

کہا اقبال نے شیخ حرم سے
تہ محراب مسجد سو گیا کون؟
صدا مسجد کی دیواروں سے آئی
فرنگی بت کدے میں کھو گیا کون؟

اگر آپ لاہور سیر کرنے آئیں تو عجائب گھر دیکھنا نہ بھولئے گا۔

کامران کی تقریر اس سے کہیں زیادہ اچھی تھی راشد نے اس کی تقریر دیکھنے کی فرمائش کی لیکن کامران نے اسے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ وہ فی البدیہہ تقریر کرے گا۔

تقریری مقابلے والے دن ایک حیرت انگیز بات ہوئی۔ کامران نے مقابلہ شروع ہونے سے کچھ دیر پہلے اپنا نام مقابلے سے یہ کہہ کر واپس لے لیا کہ اس کی طبیعت خراب ہے وہ تقریر نہیں کر سکتا۔ مقابلہ شروع ہوا اور کامران کے مقابلے میں شامل نہ ہونے کی وجہ سے راشد نے پہلا انعام جیت لیا مقابلے کے اختتام پر ججوں نے جب پہلی پوزیشن کے لئے راشد کا نام دیا تو سب لوگ آپس میں باتیں کرنے لگے کہ اگر کامران مقابلے میں شامل ہوتا تو راشد کبھی پہلی پوزیشن نہیں لا سکتا تھا۔

مہمان خصوصی نے جب پانچ سو روپیہ بطور انعام سند کے ساتھ راشد کو دیا تو وہ خوشی سے رو پڑا۔ شاید اسے پانچ سو روپے جیتنے کا یقین نہ تھا۔ کامران جلسہ گاہ کی کرسی پر بیٹھا راشد کو انعام لیتا دیکھ رہا تھا۔ اور اسے خوش دیکھ کر بہت خوش تھا۔ اسے اس بات کی خوشی تھی کہ اس نے مقابلے سے اپنا نام واپس لے کر راشد کو پہلی پوزیشن جیتنے کا موقع فراہم کیا ہے۔ راشد کی پہلی پوزیشن کبھی نہ آتی اگر وہ اس دن جب راشد کی حساب کی کاپی واپس کرنے اس کے گھر گیا تھا اور وہاں دروازے کے پیچھے سے اس نے اس کی امی اور راشد کی گفتگو سن لی تھی۔ اس کے امی ابو نے مالک مکان کو کرایہ کے پانچ سو روپے ادا کرنے تھے۔ راشد کے ابو مزدور تھے اور کچھ دن بیمار رہنے کی وجہ سے کام پر نہ جا سکے تھے جس کی وجہ سے وہ مکان کا کرایہ ادا کرنے کی پوزیشن میں نہ تھے اور ..... کامران نے یہ گفتگو سننے کے بعد مقابلے سے اپنا نام واپس لینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

اسکول میں کسی کو نہ معلوم تھا کہ کامران کیوں ہار گیا ہے لیکن کامران کا دل مطمئن تھا۔ وہ ہار کر بھی جیت گیا تھا۔

سنہری اقوال

سلیم امام، متحدہ عرب امارات

○ ..... اپنی نیکیوں کے لئے پوشیدہ جگہ بناؤ جیسے بُرائیوں کے لئے بناتے ہو۔ (یحییٰ برمکیؒ)

○ ..... گناہ ناسور ہے اگر ترک نہ کرو تو بڑھتا رہے گا۔ (حضرت امام جعفرؒ صادق)

○ ..... جانور تو اپنے مالک کو پہچانتا ہے مگر انسان اپنے پروردگار کو نہیں پہچانتا (حضرت عثمان غنیؓ)

○ ..... افعالِ خراب پر ندامت نہ کرنا ایک دوسری بڑی خرابی ہے۔ (سقراط)

مئی ۹۳ء کے شمارے میں "تین سوال" کے عنوان سے شائع ہونے والی تحریر نقل شدہ تھی۔ اس کے مصنف سید رضوان احمد کو بلیک بکس کیا جاتا ہے۔ ثبوت فراہم کرنے پر ادارہ کراچی کے جناب محمد علی انصاری کا ممنون ہے۔

ٹیپ

سعدیہ یاسمین

تقریری مقابلے کا پہلا انعام پانچ سو روپے نقد تھا اور کامران کو پہلا انعام جیتنے کی پوری اُمید تھی۔ وہ اسکول کا بلکہ ضلع کا بہترین مقرر تھا۔ فی البدیہہ تقریر میں تو اسے کمال حاصل تھا۔ تقریری مقابلے میں ابھی ایک ہفتہ باقی تھا اور تمام اساتذہ اور اسکول کے طلبہ نے کامران کی پہلی پوزیشن لانے کی پیشن گوئی کر دی تھی۔

کامران خود بھی زور و شور سے اس مقابلے کی تیاری کر رہا تھا کیوں کہ خاصے دن بعد اسکول میں کوئی تقریب منعقد ہو رہی تھی۔ اسکول میں اور بھی طالب علم اچھے مقرر تھے خاص کر راشد جو نیا نیا اس کی جماعت میں آیا تھا اس کے مقابلے کا مقرر تھا راشد کے آنے سے پہلے وہ تقریری مقابلوں کی کوئی خاص تیاری نہیں کرتا تھا لیکن جب اردو کے ٹیچر نے تقریر کرنے والے لڑکوں سے اسمبلی ہال میں باری باری تقریر سنی تھی تو راشد نے غضب کی تقریر کی تھی۔ اس کی تقریر کا مواد خاصا پر اثر اور معلومات سے بھرا ہوا تھا۔ اس کی تقریر جونہی ختم ہوئی تھی لڑکوں نے زور دار تالیاں بجائی تھیں۔ بعد میں کامران سے بھی فرمائش کی گئی لیکن اس نے یہ کہہ کر کہ میں اصل مقابلے والے دن ہی اپنی تقریر کروں گا، بات ٹال دی تھی۔

اس دن گھر پر جب وہ آیا تھا، تو اس کے ذہن کے پردے پر تالیوں کی گونج سوار تھی جو لڑکوں نے راشد کی خوب صورت تقریر کے اختتام پر بجائی تھیں۔ تالی تو اس نے بھی بجائی تھی کیوں کہ تقریر واقعی بہت اچھی تھی لیکن اس سے کہیں زیادہ اچھی تقریر وہ خود کر سکتا تھا۔

"میں راشد کو پہلی پوزیشن کے لئے جیتنے نہیں دوں گا"۔ کامران نے دل میں ایک بھرپور فیصلہ کر لیا اور تین چار روز کی محنت کے بعد ایک دلوں کو گرما دینے والی تقریر اس نے تیار کر لی۔ راشد نے اپنی تقریر اسے دکھائی تھی جو بہت اچھی تھی لیکن

اس کا موڈ کتنا ہی خراب کیوں نہ ہو جہاں وہ باغ میں داخل ہوا اس کی طبیعت ہشاش بشاش ہو جاتی ہے۔ بچوں کا عالمی دن بھی ایک باغ کا حصہ ہے جو بچوں کو نہ صرف خوشیوں اور مسرتوں کے لمحات فراہم کرتا ہے بلکہ والدین، ان کے سرپرستوں اور حکومت وقت سے اس بات کا مطالبہ بھی کرتا ہے کہ بچوں کی تعلیم و تربیت، رہن سہن، صحت و صفائی، کھانے پینے اور کھیلنے کودنے کا خاص خیال رکھا جائے کیوں کہ بچے ہی قوموں کا مستقبل ہیں اور بڑے ہو کر انہیں ہی ملک کی باگ ڈور سنبھالنی ہے۔

بچوں کا عالمی دن منانے کا مقصد یہی ہے کہ بچوں کے لئے انسانی برادری میں ہمدردی اور سرپرستی کے جذبے کو ابھارا جائے اور ساری دنیا کے بچوں کو وہ حقوق دلوائے جائیں جو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے ۲۰ نومبر ۱۹۵۹ء کو اتفاق رائے سے منظور کئے تھے۔

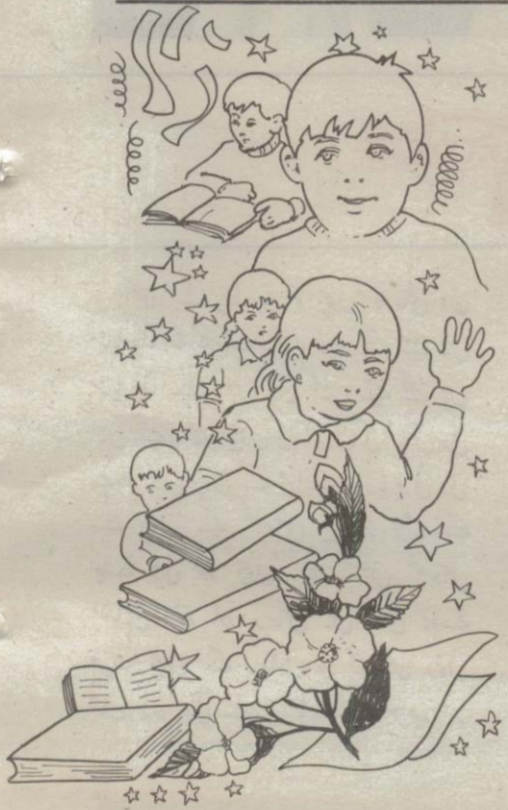

نصیحت

راشد خان، کراچی

ننھے مُنّے پیارے بچّو
کم کھیلو اور خوب پڑھو
کم تر جس نے علم کو جانا
دُنیا میں کیا اس کا ٹھکانہ
مِل جُل کر تم رہنا سیکھو
لِکھنا سیکھو پڑھنا سیکھو
چھوڑے جو انسان پڑھائی
ہوگی ذِلّت اور رسوائی
سب کا کہنا مانو بچّو
سب کو اچھا جانو بچّو

ہیں بہاریں جن کے دم سے

محمد خالد آرائیں

اکتوبر کے پہلے پیر کو بچوں کا عالمی دن منایا جاتا تھا لیکن اب یہ دن نومبر کے مہینے میں منایا جاتا ہے۔ اس دن کہیں میلے لگتے ہیں کہیں ٹھیلے، کہیں بچوں کی کتابوں کی نمائش ہوتی ہے تو کہیں بچوں کے ڈرامے۔ ریڈیو ٹی وی سے بچوں کے خصوصی پرگرامز پیش کئے جاتے ہیں اور بچوں سے متعلق خصوصی مضامین اخبار اور رسائل میں شائع ہوتے ہیں۔ بچوں کے رسالوں کی بھی ان دنوں شان بڑھ جاتی ہے۔ کھٹی میٹھی مزاحیہ اور سبق آموز کہانیاں، چٹ پٹے لطیفے، دلچسپ ڈرامے، ملکوں، شہروں اور قصبوں کے حالات، ایجادوں کے قصے، پیاری پیاری نظمیں، عمدہ تصویریں اور کارٹون وغیرہ غرض ہر چیز رسالوں میں موجود ہوتی ہے اور ساتھ ساتھ بچوں کے حقوق بھی بتائے جاتے ہیں۔

آپ نے باغ کی سیر تو کی ہوگی بلکہ دنیا کا شاید ہی کوئی ایسا بچہ ہو جس نے باغ کی سیر نہ کی ہو۔ انسان خواہ کتنا ہی افسردہ کیوں نہ ہو

گڑیا نگر

افشاں بشیر بی بی سی لندن اردو سروس سے شعر گوئی کے مقابلے میں بہترین اشعار پر سند حاصل کر چکی ہیں

بنایا ہے جو میں نے ننھا سا گھر
یہ ہے میری گڑیا کا گڑیا نگر

بہت خوب صورت سا ہے یہ مکاں
سجاوٹ کی ہر ایک شے ہے یہاں

ہیں ایرانی قالین گھر میں بچھے
وہیں ننھے ننھے ہیں صوفے رکھے

ہے ننھا سا ٹی وی بھی بالکل نیا
جو گڑیا کے بیڈ روم میں ہے سجا

ہے چھوٹی سی کرسی تو ننھی سی میز
یہ ہے میری گڑیا کا سارا جہیز

ہیں چینی کے برتن بھی امپورٹڈ
تو ہے واش بیسن بھی امپورٹڈ

سجایا ہے پردوں سے یہ سارا گھر
بہت خوب صورت ہے گڑیا نگر

ہیں بجلی کے جو قمقمے گیٹ پر
وہ جگمگ کیا کرتے ہیں رات بھر

بنایا ہے چھوٹا سا اک باغ بھی
لگائے ہیں پھل پھول جس میں سبھی

ہے خوش بخت گڑیا میری لاڈلی
جو نازوں سے گڑیا نگر میں پلی

ایک عظیم شاعر

شہریار راجپوت

علامہ اقبالؒ ۹ نومبر ۱۸۷۷ کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم اپنے آبائی شہر میں حاصل کی۔ ۱۸۹۵ء میں وہ گورنمنٹ کالج لاہور آ گئے۔ ۱۸۹۹ء میں ایم اے کی ڈگری حاصل کی اور پنجاب یونیورسٹی سے اسی سال پروفیسر منتخب ہوئے۔ وہ اورینٹل کالج لاہور میں اس نوکری پر ۱۹۰۵ء تک رہے۔ اسی سال اعلیٰ تعلیم کے لئے لندن چلے گئے۔ لندن میں قانون کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۰۸ء میں انہوں نے فارسی فلاسفی میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔

اس میں کوئی شک نہیں اقبالؒ ایک عظیم شاعر تھے۔ انہوں نے اپنی شاعری سے سوئے ہوئے مسلمانوں کو بیدار کیا۔ علامہ اقبالؒ نے مغربی فلاسفی میں خامیاں نکالی، علامہ نے سیاست میں بھی حصّہ لیا۔ ۱۹۲۶ء میں پنجاب مقننہ کونسل کے رکن منتخب ہوئے اور ۱۹۲۹ء تک رہے۔ وہ پنجاب مسلم لیگ کے صدر بھی منتخب ہو گئے۔ اقبالؒ نے ہندوؤں کی آنکھ میں عداوت کے شعلے دیکھ لئے تھے چنانچہ انہوں نے صاف صاف لفظوں میں کہا "مسلمان اور ہندو دو علیحدہ قومیں ہیں یہ ایک ساتھ ہرگز نہیں رہ سکتے اس لئے دونوں کے لئے الگ الگ وطن ہونا چاہئے۔"

قائداعظمؒ نے ان کی وفات کے پیغام میں فرمایا: "وہ نہ صرف میرے دوست تھے بلکہ عظیم فلاسفی اور رہبر تھے۔ اندھیرے لمحات میں جب مسلم لیگ کمزور تھی وہ ہمارے لئے چٹان کی طرح تھے۔"

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

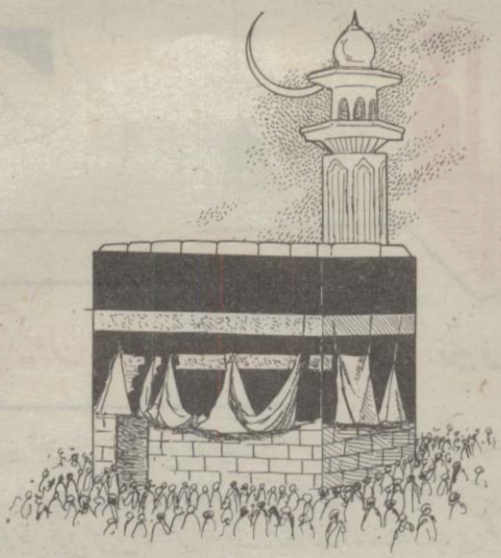

حمد باری تعالیٰ

فوزیہ رضا، ملتان

یہ سہانی سحر یہ تنا آور شجر
یہ حسیں گلستاں یہ بُلند آسماں
یہ خدا کی زمیں ہے یہ کتنی حسیں
وہ خدا ہے ربِّ کریم وہ خدا ہے سب سے عظیم
ہے وہی مہرباں اسی نے ہمیں دی زُباں
اسی نے بخشی ہمیں ان گِنت نعمتیں

دعا قبول کیوں نہیں ہوتی

ممتاز الدین احمد

حضرت شفیق بلخیؒ فرماتے ہیں کہ ایک روز حضرت ابراہیم بن ادہمؒ بصرے کے بازار سے گزر رہے تھے تو لوگوں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ حضور! قرآن میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ "تم مجھ سے دُعا مانگو میں قبول کروں گا" اور ہم ایک مدّت تک دُعا مانگتے رہے ہیں مگر قبول نہیں ہوتی اس کی کیا وجہ ہے؟

حضرت ابراہیم بن ادھم نے جواب دیا "اے لوگو! تمہارے دل دس چیزوں سے مُردہ ہو گئے ہیں پھر تمہاری دُعا کیسے قبول ہو۔ وہ دس چیزیں یہ ہیں:"

- تم نے خدا کو پہچانا مگر اس کی معرفت کا حق ادا نہ کیا۔
- تم نے قرآن پڑھا مگر اس پر عمل نہ کیا۔
- تم نے محبتِ رسولؐ کا دعویٰ کیا مگر بُرائی سے دشمنی نہ کی۔
- تم نے عداوتِ شیطان کا دعویٰ کیا مگر اچھائی پر عمل نہ کیا۔
- تم نے جنّت کو چاہا مگر اس میں داخل ہونے کے لئے عمل نہ کیا۔
- تم نے جہنم سے پناہ مانگی مگر خود ہی اپنے نفس کو اس میں ڈال دیا۔
- تم نے موت کو حق مانا مگر اس کے لئے تیاری نہ کی۔
- تم نے اللہ تعالیٰ کی نعمتیں کھائیں مگر اس کا شکر ادا نہ کیا۔
- تم نے مُردوں کو دفن کیا مگر عبرت حاصل نہ کی۔

آ رہی۔" رابل نے اِدھر اُدھر دیکھا۔

"بعض اوقات شکست چپ چپاتے بھی آ جایا کرتی ہے۔"

"پتا نہیں تم کیا اوٹ پٹانگ باتیں کر رہے ہو، بہتر ہوگا...... میں پہلے تمہیں ہی ختم کر دوں، تم پیکٹ کا پتا بتانے والے نہیں۔"

"آخر آپ نے درست اندازہ لگا ہی لیا۔" محمود کے لہجے میں حیرت تھی۔

"بہت نام سنا تھا رابل کا...... لیکن مسٹر رابل...... آپ تو کچھ بھی نہیں نکلے...... یہاں یہ بات کہی جا سکتی ہے...... کھودا چوہا...... نکلا پہاڑ۔" فاروق نے جلدی جلدی کہا۔

"کیا کہا...... کھودا پہاڑ نکلا چوہا۔" محمود نے کہا۔

"تمہارے کان بجے ہیں...... میں نے کہا ہے...... کھودا چوہا نکلا پہاڑ۔"

"تب تو درست ہی نکلا۔"

"سر...... یہ وقت برباد کر رہے ہیں...... تاکہ باتوں باتوں میں صدر یہاں پہنچ جائیں۔" کیپٹن سام نے کہا۔

ان الفاظ کے ساتھ ہی رابل نے پروفیسر عمران جاہ پر فائر کر دیا...... وہ چیخ مار کر فرش پر گرے۔

(پھر کیا ہوا — آئندہ شمارے میں پڑھئے)

بچوں کے مشہور و معروف مصنف
[redacted]
کے سنسنی خیز،
ہنگامہ آرا،
مزاح اور جاسوسی
سے بھرپور ناول

۵۵۳ — یقینی خطرہ — انسپکٹر جمشید سیریز — ۱۰ روپے
۵۵۴ — قیدی کا اسرار — " — ۱۰ "
۵۵۵ — دوہرا روپ — " — ۱۰ "
۵۵۶ — دو تیر ایک شکار — " — ۱۰ "
۳۰ — مسئلہ کشمیر اور فتنہ قادیانیت — نئی نسل نیا ادب — ۳۰ "
۳۱ — قائل ایس ۱۳ — انسپکٹر جمشید سیریز — ۱۰ "
۳۲ — لفافے کا راز — " — ۱۰ "
۱۱ — ایشیا کا جلاد — انسپکٹر کامران مرزا سیریز — ۱۰ "
۱۱ — انصاف کا خون — شوکی سیریز — ۱۰ "

۲۰ نومبر ۱۹۹۳ء
کو آپ کے شہر میں
ہر بڑے بکسٹال پر دستیاب
یا
پھر براہِ راست خط لکھ
کر ادارے سے بذریعہ وی پی
منگوائیں

اشتیاق پبلی کیشنز
۹/۱۲ نصیر آباد، مسلم پورہ، سانده کلاں
لاہور، — فون ۳۲۱۵۳۷

کے بارے میں معلوم ہے ...... میں پروفیسر عمران جاہ کو نشانہ بنا رہا ہوں ...... اگر انہیں پروفیسر صاحب کی زندگی عزیز ہے تو یہ ضرور پیکٹ کے بارے میں بتا دیں گے۔"

"اب ہم اتنے بے وقوف بھی نہیں۔"

"کیا مطلب؟" رابل چونکا۔

"جناب! پروفیسر عمران جاہ کو تو آپ ویسے بھی زندہ نہیں چھوڑیں گے ...... مطلب یہ کہ پیکٹ مل جانے کی صورت میں بھی ...... تو ہم ان کی جان بچانے کے لئے کیوں آپ کو پیکٹ کے بارے میں بتائیں؟"

"ہوں! تم بہت چالاک ہو ...... خیر ...... پہلے میں تمہارے کمانڈر انچیف پر فائر کرتا ہوں ...... ان کی زندگی تو تمہیں ضرور عزیز ہوگی۔"

"عزیز تو ہمیں یہاں موجود ہر ایک فرد کی زندگی ہے۔ ...... سوائے آپ دونوں کے ...... ہم چاہتے ہیں آپ دونوں مر جائیں ...... باقی لوگ زندہ بچ جائیں۔" فاروق نے مسکرا کر کہا۔

"موت کس کی آتی ہے ...... یہ تو وقت بتائے گا ...... کمانڈر صاحب آپ تو جائیں۔"

"ہاہاہا ......" ایسے میں پروفیسر عمران جاہ نے ایک قہقہہ لگایا۔

"یہ بے وقت کی راگنی کیسی؟" رابل نے جل کر کہا۔

"مسٹر رابل آخر تم چکر کھا گئے۔"

"میں چکر کھا گیا! ...... تمہارا دماغ تو نہیں چل

سنہری باتیں

۱۔ پڑوسی کو ستانے والا دوزخی ہے اگرچہ تمام رات عبادت کرے اور تمام دن روزہ دار رہے۔
(نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

۲۔ بروں کی ہم نشینی سے بدرجہا بہتر ہے کہ تنہائی میں رہا جائے۔
(حضرت ابو بکرؓ)

۳۔ خاموشی غصے کا بہترین علاج ہے۔
(حضرت عثمان غنیؓ)

۴۔ گناہوں پر نادم ہونا ان کو مٹا دیتا ہے اور نیکیوں پر مغرور ہونا ان کو برباد کر دیتا ہے۔
(حضرت علی کرم اللہ وجہہ)

۵۔ ایک بوڑھے نے کہا توبہ کرتا ہوں لیکن دیر سے آیا ہوں۔ فرمایا موت سے پہلے آ جانا دیر نہیں۔
(حضرت شفیق بلخیؒ)

۶۔ دوست اس کو سمجھ جو تنہائی میں تیرے عیب تجھ پر ظاہر کرے، تجھے تنبیہہ کرے، تیرے پیچھے لوگوں میں تیری تعریف کرے اور مصیبت کے وقت تیری ہمراہی کرے۔ (خلیفہ مامون الرشید)

مرسلہ ...... محمد عبداللہ گوندل، منڈی بہاؤالدین

گیا۔" رابل نے حیران ہو کر کہا۔

"میں سچ کہہ رہا ہوں ...... تم چکر کھا گئے ہو۔"

"وضاحت کرو۔"

"دوسرے لفظوں میں تمہاری شکست ہو چکی ہے۔"

"ہمیں تو اپنی شکست دور دور تک نظر نہیں

"اگر آپ کو اس سے کچھ نہیں تو پھر کر دیں فائر ...... دیکھا جائے گا۔"

"کیا دیکھا جائے گا؟" وہ بولا۔

"یہ کہ کیا ہوتا ہے۔"

اسی وقت فون کی گھنٹی بجی ...... سب نے چونک کر فون کی طرف دیکھا۔

"اب یہ فون کون سنے گا؟" پروفیسر عمران جاد بولے۔

"آپ ہی سن لیں۔" محمود نے فوراً کہا۔

"خبردار! فون میں سنوں گا۔ ...... یہاں اس وقت میں انسپکٹر جمشید نے میک اپ میں ہوں۔" رابل بولا۔

"لیکن فون پر تو میک اپ کا پتا نہیں چلے گا۔"

"آواز بھی تو میرے حلق سے انسپکٹر کے نکلے گی ......" یہ کہہ کر وہ دوسری طرف کی بات سننے لگا ...... پھر بولا۔

"ٹھیک ہے ...... آجائیں۔"

یہ کہہ کر اس نے ریسیور رکھ دیا۔

"لیجئے جناب ...... صدر صاحب انشارجہ سے اسی وقت روانہ ہو رہے ہیں ...... گویا اب بہت تھوڑی دیر بعد وہ یہاں پہنچ جائیں گے۔" اس نے اعلان کرنے والے انداز میں کہا۔

"گویا اب ہمیں اور بھی جلدی کرنا ہوگی۔" کیپٹن سام نے کہا۔

"ہاں! ان تینوں میں سے کسی ایک کو پیکٹ

ماں کی خدمت

حضرت معاویہ بن جاہمہ کہتے ہیں کہ جاہمہ نبی کریم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا "یارسول اللہ! میں نے جہاد پر جانے کا ارادہ کیا ہے اور آپ سے مشورہ لینے آیا ہوں۔"

آپ نے فرمایا "کیا تیری ماں زندہ ہے؟" آپؓ نے فرمایا "ہاں۔" آپ نے فرمایا "اس کی خدمت کر کیوں کہ اس کے قدموں میں جنت ہے۔"

مرسلہ ...... کامران افضل ہاشمی۔ (؟)

علم

○ ــ علم والے ہی خدا سے ڈرتے ہیں۔ (القران)

○ ــ علم حاصل کرنے کے لئے ایک دوسرے پر سبقت کرو۔ (الحدیث)

○ ــ علم پیغمبروں کی میراث ہے اور مال کفار کی۔ (سیدنا ابو بکر صدیقؓ)

○ ــ علم حاصل کرو بزرگ بننے سے پہلے۔ (سیدنا عمر فاروقؓ)

○ ــ علم راستہ ہے دین کے خزانوں کا۔ (سیدنا عثمان غنیؓ)

○ ــ علم سے دل کو روشنی ملتی ہے۔ (سیدنا علی المرتضیٰؓ)

○ ــ علم ایک نور ہے جو اللہ تعالیٰ دل میں رکھ دیتا ہے۔ (سیدنا امام مالکؒ)

مرسلہ ...... حمیرا گل۔ اٹک۔

"کیوں سر..... کیا ہوا؟" کیپٹن سام نے ڈرے ڈرے انداز میں کہا۔

"نہیں ملا۔ نہ جانے کم بختوں نے کہاں چھپایا ہے۔ خیر کوئی بات نہیں۔ اب ہم ان سے معلوم کریں گے..... چلو تم تینوں بتاؤ پیکٹ کہاں ہے؟"

"تینوں تو خیر ہرگز نہیں بتا سکتے..... ہم میں سے صرف ایک بتا سکے گا۔"

"یہ کیا بات ہوئی؟" رابل غرایا۔

"ہم تینوں میں سے صرف ایک کو معلوم ہے کہ پیکٹ کہاں ہے۔..... باقی دو کو نہیں۔

"اور تم میں سے کسے معلوم ہے؟"

"یہ بھی ہم نہیں بتائیں گے۔" محمود نے کہا۔

"یہ لوگ لاتوں کے بھوت ہیں سر..... باتوں سے ہرگز نہیں مانیں گے۔" کیپٹن سام بولا۔

"ہوں ٹھیک ہے..... میں اب صرف اور صرف گولی کی زبان میں بات کروں گا..... سب سے پہلے تو پروفیسر عمران جاہ کا کام تمام کرتا ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے عمران جاہ کا نشانہ لیا اور اگا ٹریگر دبانے..... ایسے میں فرزانہ چلائی۔

"ٹھہرو..... میں بتاتی ہوں..... پیکٹ کہاں ہے۔"

"بہت خوب! یہ ہوئی ناں بات۔" رابل ہنسا۔

"دماغ تو نہیں چل گیا تمہارا!" محمود نے اسے گھورا۔

"کیوں! کیا بات ہے؟"

"جب تم نے پیکٹ چھپایا ہی نہیں تو بتاؤ گی کیا خاک؟" محمود نے کہا۔

"اوہ ہاں! یہ تو میں بھول ہی گئی۔"

"دیکھا سر..... میں نے کہا تھا نا۔" کیپٹن سام نے کہا۔

"ٹھیک ہے..... میں پروفیسر عمران جاہ کا کام ختم کرتا ہوں۔" رابل غرایا۔

"ایسا غضب نہ کر بیٹھئے گا مسٹر رابل۔" فاروق بول اٹھا۔

"کیا مطلب..... کون سے غضب کی طرف اشارہ ہے؟"

"پروفیسر عمران جاہ کو اگر تم نے ختم کر دیا تو یہ راز ہمیشہ راز ہی رہ جائے گا۔"

"کون سا راز؟" اس نے تلملا کر کہا۔

"یہ کہ اس پیکٹ میں کیا ہے۔"

"وہ تو ہمیں معلوم ہے۔" اس نے جھلا کر کہا۔

"لیکن ہمیں معلوم نہیں..... ہمیں تو انہی سے معلوم ہو سکتا ہے..... اور ابھی یہ ہمیں بتا نہیں سکتے۔"

"تو مجھے اس سے کہا کہ تم لوگوں کو راز معلوم ہوتا ہے یا نہیں۔" رابل بولا۔

بولا۔

"اچھی بات ہے ..... تم پیکٹ کو اس کمرے میں بھی تلاش کرو..... اور اندرونی کمرے میں بھی ..... اور ذرا جلدی کرو..... میں تمہیں صرف پندرہ منٹ دیتا ہوں۔" رابل نے کہا۔

"بہت بہتر سر۔" کیپٹن سام نے کہا اور تیزی سے کمرے کی تلاشی لینے لگا۔

"مشکل ہے مسٹر رابل۔" فرزانہ بولی۔

"کیا مشکل ہے؟" اس نے بھنا کر کہا۔

"یہ کہ آپ کے اسسٹنٹ پیکٹ تلاش کر لیں۔"

"دیکھا جائے گا۔" اس نے منہ بنایا۔

"اگر مسٹر سام تلاش نہ کر سکے تو کیا آپ بھی کوشش کریں گے؟" فاروق بول اٹھا۔

"تم خاموش نہیں رہ سکتے۔"

"جی ہاں! کیوں نہیں رہ سکتا۔" اس نے کہا۔

"تو پھر مہربانی فرما کر کم از کم تم نہ بولو..... تمہاری آواز مجھے زہر لگنے لگی ہے۔"

"پتا نہیں لوگوں کو کیا ہو گیا ہے ..... انہیں صرف میری آواز کیوں زہر لگنے لگتی ہے۔"

رابل اس گھور کر رہ گیا..... پندرہ منٹ بعد کیپٹن سام منہ لٹکائے اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

"تو پیکٹ نہیں ملا؟"

"جی نہیں۔" اس نے کہا۔

"اب تم چوکس کھڑے ہو جاؤ..... میں تلاش کرتا ہوں ..... صرف پندرہ منٹ کے اندر اندر تلاش کر کے دکھاؤں گا۔" رابل نے کہا اور تلاشی شروع کر دی۔

"مسٹر سام ..... آپ کا ہاتھ تھک جائے گا ..... پستول جیب میں رکھ لیں ..... ہم وعدہ کرتے ہیں ..... آپ کے خلاف کوئی اقدام نہیں کریں گے ..... اس لئے کہ آپ بہت اچھے آدمی ہیں۔" محمود سرسری انداز میں بولا۔

"بکو مت!" اس نے سرد آواز میں کہا۔

"شاید آپ اس لئے ناراض ہیں کہ آپ پیکٹ تلاش نہیں کر سکے ..... لیکن جناب اس میں ہمارا کیا قصور ..... یہ تو آپ کی عقل کی خرابی تھی جس کی وجہ سے پیکٹ نہیں مل سکا۔"

"کیا مطلب!؟" اس نے چونک کر کہا۔

"اب دیکھتے جائیں..... مسٹر رابل بھی ناکام ہو کر لوٹیں گے۔"

"تم مسٹر رابل کو نہیں جانتے۔"

"اور ہمارا خیال ہے کہ تم ہمیں نہیں جانتے۔"

"کوئی بات نہیں..... آج دونوں گروپ ایک دوسرے کو جان لیں گے۔"

"ہاں! یہ تو ہے۔" فاروق نے فوراً کہا۔

اور پھر پندرہ منٹ گزر گئے۔ ..... دوسرے کمرے کا دروازہ کھلا..... انہوں نے دیکھا، رابل کا منہ بھی لٹکا ہوا تھا۔

گولی چلنے کی آواز کمرے میں گونج اٹھی..... گولی محمود کے کان کی لو کو اڑاتے ہوئے گزر گئی تھی اور دیوار سے جا ٹکرائی تھی لیکن وہ دیوار کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکی۔

محمود کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی اور اس نے فوراً جیب سے رومال نکال کر کان پر رکھ لیا۔

"یہ کیا حرکت تھی؟" اس نے غرا کر کہا۔

"یہ اشارہ ہے..... اس بات کی طرف کہ اگر تم نے فوری طور پر وہ پیکٹ ہمارے حوالے نہ کر دیا تو ہم دونوں تم سب کو موت کے گھاٹ اتار دیں گے۔"

"تو اتار دیں!" فاروق بولا۔

"کیا کہا..... اتار دو!!؟" رابل نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں! یہی کہا ہے..... اتار دیں ہمیں موت کے گھاٹ..... لیکن وہ پیکٹ ہم آپ کو ہرگز نہیں دیں گے..... اس لئے کہ وہ ملک کی امانت ہے..... اور مسلمان امانت میں خیانت نہیں کرتا۔"

"تم شاید مذاق سمجھ رہے ہو..... اور نہیں جانتے کہ کس سے باتیں کر رہے ہو....." رابل نے بھنا کر کہا۔

"آپ رابل ہیں..... ہم جانتے ہیں لیکن ہم مسلمان ہیں..... آپ شاید یہ نہیں جانتے۔"

"کیا مطلب؟" اس نے بھنا کر کہا۔

"مطلب یہ کہ ہم اپنے دین، ملک اور قوم کے لئے جان دینا جانتے ہیں۔"

"اس کا فائدہ کیا ہوگا؟"

"وہ چیز آخر کار صدر کے ہاتھ لگ جائے گی۔" محمود نے کہا۔

"خوش فہمی میں مبتلا ہو تم لوگ..... وہ میرے ہاتھ لگے گی..... تم وہ نکال کر لاتے ہو یا میں فائر کروں؟"

آپ پہلے ہی ایک فائر کر چکے ہیں..... اب نہ کیجئے گا۔" پروفیسر عمران جلدی بولے۔

"آپ بھی بولے..... کمال ہے!"

"اس میں کمال کی کیا بات ہے..... بولنا میرا حق ہے۔" انہوں نے برا سا منہ بنایا

"اچھی بات ہے..... ہم فائرنگ شروع کر رہے ہیں..... تم سب کو زیر کرنے کے بعد پیکٹ تلاش کر لینا ہمارے لئے کچھ بھی مشکل نہیں ہوگا..... اور پھر ہم یہاں سے نکل جائیں گے..... صاف ظاہر ہے..... انسپکٹر جمشید اور ان کے اسسٹنٹ کو جانے سے کون روکے گا..... کون ٹوکے گا؟"

"یہی تو مشکل ہو جائے گی آپ کے لئے۔" فاروق ہنسا۔

"کیا مشکل ہو جائے گی؟" رابل نے بھنا کر کہا۔

"وہ چیز تمہیں نہیں مل سکے گی..... اگر یقین نہیں تو تجربہ کر لو..... پہلے پیکٹ کو تلاش کر لو..... پھر ہم سے پیکٹ کے بارے میں پوچھنا۔"

"بات تو معقول ہے سر ان کی۔" کیپٹن سام

دسویں قسط

بچوں کے مقبول مصنف اشتیاق احمد کے قلم سے

بچاؤ

انسپکٹر جمشید کی غیر موجودگی میں بچے گھر پر اکیلے تھے کہ اچانک دستک ہوئی۔ دروازہ کھولنے پر پروفیسر عمران جاہ زخمی حالت میں گھر کے اندر داخل ہوئے۔ دشمن بھی ان کے پیچھے تھا۔ ایک طویل ذہنی اور جسمانی جنگ لمحہ لمحہ رنگ بدلتی رہی اور بالآخر دشمن کو قابو کر لیا گیا۔ انسپکٹر جمشید واپس پہنچے تو میدان صاف تھا۔ تمام حالات معلوم کرنے کے بعد وہ فوج کی مدد سے سب ساتھیوں سمیت شہر کی سب سے محفوظ عمارت میں منتقل ہو گئے۔ انشارجہ کا زلزلہ بہت چالاک تھا۔ وہ پے در پے چالیں بدل کر عمارت کے اندر داخل ہونے کی کوشش کر رہا تھا مگر ادھر بھی انسپکٹر جمشید کا ذہن کام کر رہا تھا۔ وہ ہر چال کو کامیابی سے ناکام بنا رہے تھے۔ پھر انہیں سب انسپکٹر اکرام کو آزاد کرانے کے لئے دشمن کے حصار میں داخل ہونا پڑا جہاں وہ خود کو نیلی روشنی کے حملے کی زد سے نہ بچا سکے۔ اور وقتی طور پر مفلوج ہو گئے۔ رابل اور اس کا اسسٹنٹ کیپٹن سام [illegible] اکرام کے میک اپ میں اس عمارت تک پہنچے جہاں پروفیسر عمران جاہ اور دیگر لوگ پناہ لئے ہوئے تھے۔ انہوں نے دھونس اور دھمکی سے وہ پیکٹ حاصل کرنے کی کوشش کی اور پھر اچانک محمود پر فائر جھونک مارا۔

(اب آپ آگے پڑھئے)

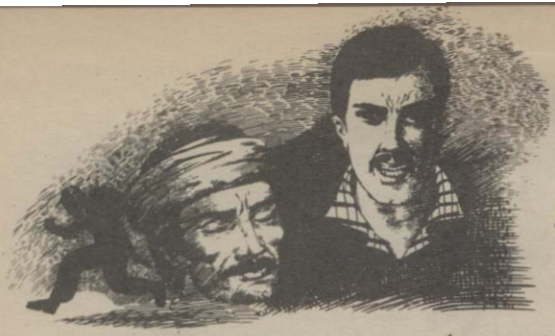

صفائی

نثار احمد ہاشمی

کہا مالک نے نوکر سے صفائی نصف ایماں ہے
صفائی ہے اگر دل میں تو انساں پاک داماں ہے
صفائی کا یہ مطلب ہے کہ انساں پاک باطن ہو
بڑا انسان ہو یا نوجواں یا طفلِ کم سن ہو
دلوں میں جب صفائی ہو کدورت دور ہوتی ہے
طبیعت صاف رہنے سے بڑی مسرور ہوتی ہے
صفائی صرف ظاہر تک اگر محدود رہتی ہے
تو ذہن وقلب میں کچھ گندگی موجود رہتی ہے
غرض نوکر کو مالک نے صفائی پر دیا لیکچر
کہا تاکید سے تم ہو صفائی کے لئے نوکر
تمہارا کام ہے گھر کی صفائی اور ستھرائی
نہ دوں گا ایک پیسہ بھی اگر کچھ گندگی پائی
ملازم بد دیانت تھا، زباں سے کچھ نہیں بولا
مگر جب سو گیا مالک تو تالا رات کو کھولا
اُٹھا کر ساری نقدی اور زیور گھر سے لے بھاگا
"صفایا" ہو چکا تھا جب وہ مالک صُبح کو جاگا
نصیحت سُن کے مالک کی عمل ایسا کیا اس نے
صفائی کی جگہ گھر کا صفایا کر دیا اس نے
"صفایا" کرنے والوں کے صفائے کی ضرورت ہے
خرابی دور کرنے کی یہی بس ایک صورت ہے

کا نشان بنانے کے لئے ۵۰۰ پونڈ رنگ خرچ ہوتا ہے۔

یہ سن کر آپ شاید حیران ہوں گے کہ اس کشادہ گنجائش والے طیارے میں ۴۷ ہزار گیلن ایندھن ذخیرہ کرنے کی گنجائش ہوتی ہے جو ریلوے کی مال گاڑی میں لگے ہوئے ۴۰ فٹ لمبے تقریباً ساٹھ ٹینکروں کے برابر ہے جن میں سات ہزار گیلن کی گنجائش ہوتی ہے۔ طیارے میں اتنا ایندھن ہوتا ہے جو ایک اوسط درجے کی فیملی کار کی تقریباً چار سو سالہ ضروریات کے لئے کافی ہے۔ طیارے میں چار انجن نصب ہوتے ہیں جو ایک سیکنڈ میں مجموعی طور پر ایک گیلن ایندھن صرف کرتے ہیں۔ بوئنگ ۷۴۷ کا برقی نظام اتنی بجلی پیدا کرتا ہے جس سے اوسط درجے کے تین ہزار امریکی مکانات کی برقی ضروریات پوری ہوتی ہے۔ یہاں یہ بات بھی مدِ نظر رکھنی چاہئے کہ برقی سامان کی نسبتاً زیادہ تنصیب کی وجہ سے امریکی مکانات میں پاکستانی مکانوں کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ بجلی خرچ ہوتی ہے۔

بوئنگ ۷۴۷ کی ائر کنڈیشننگ کی گنجائش اتنی ہوتی ہے کہ جس سے ۷۰ مکانوں کو مکمل طور پر ائر کنڈیشنڈ کیا جاسکتا ہے۔ طیارے کے زمین سے فضا میں بلند ہوتے وقت اس کے چاروں انجن ایک لاکھ اسی ہزار ہارس پاور مہیا کرتے ہیں۔ اس وقت اس کی رفتار ۱۹۱ میل فی گھنٹہ ہوتی ہے جب کہ فضا میں بلند ہونے کے بعد طیارہ ۹۰۸ کلو میٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے پرواز کرتا ہے اور زمین پر اترتے وقت اس کی رفتار بتدریج کم ہو کر ۱۵۱ میل فی گھنٹہ رہ جاتی ہے۔

اس جدید ترین طیارے میں جہاز رانی کا دور حاضر کا سب سے زیادہ قابل اعتماد کمپیوٹر سسٹم استعمال ہوتا ہے (کمپیوٹر کا یہ نظام قطب شمالی اور قطب جنوبی کے درمیان وسیع و عریض سمندروں میں چلنے والی آبدوزوں کے علاوہ اپولو پروگرام سمیت تمام خلائی پروازوں میں بھی استعمال کیا جاتا ہے)

طیارے کے کاک پٹ میں تین کمپیوٹر نصب ہوتے ہیں جو ہوا پیمائی کے دوران پیش آنے والی تمام مشکلوں کو بڑی آسانی اور برق رفتاری کے ساتھ سلجھا دیتے ہیں۔ طیارے میں دو موسمی راڈار بھی نصب ہوتے ہیں جو محوِ پرواز طیارے سے ۳۰۰ میل دور تک کے علاقوں کے موسمی حالات کے بارے میں لمحہ بہ لمحہ مکمل معلومات فراہم کرتے رہتے ہیں۔

یہ طیارہ آسمان کی فضاؤں پر خواہ مشرق سے مغرب کی جانب محوِ پرواز ہو یا شمال و جنوب کے درمیان اپنی منزلوں کی جانب رواں دواں ہو، اس کے آٹو پائلٹ میں نصب شدہ کمپیوٹر آسمان کی وسعتوں میں منزل مقصود کی جانب پرواز کرنے میں ہوابازوں کی مکمل رہنمائی کرتے ہیں۔ جس سے طیارہ بہ آسانی مقررہ مقام پر پہنچ جاتا ہے۔

ایک حیرت انگیز طیارہ

احسار فاروق

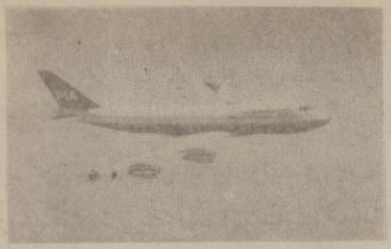

رائٹ برادران نے ہوائی جہاز ایجاد کر کے گویا فضا کو تسخیر کر لیا۔ اس کے بعد ہی امریکی اور برطانوی صنعت کاروں نے طیارہ سازی پر توجہ دی اور ہر طرح کے طیارے بنائے۔ ان ہی میں ایک طیارہ وہ بھی تھا جسے جمبوجٹ کہا جاتا ہے۔ ہم اس مضمون میں آپ کو جمبوجٹ (بوئنگ ۷۴۷) کے بارے میں چند دلچسپ حقائق سے آگاہ کریں گے۔ واضح رہے کہ یہ دیو ہیکل طیارہ ہماری قومی ائر لائن پی آئی اے کے فضائی بیڑے میں شامل ہے۔

بوئنگ ۷۴۷ طیارے کو اس کی جسامت ساخت اور حیرت انگیز خصوصیات کی بنا پر صنعت طیارہ سازی کا ایک اہم کارنامہ کہا جائے تو شاید یہ مبالغہ نہ ہو گا۔ اس دیو پیکر طیارے کی جسامت کا یہ عالم ہے کہ اس کے پہیوں سے دُم (TAIL) تک کی اونچائی ۶۳ فٹ ۵ انچ ہے جو ایک چھ منزلہ عمارت کے برابر ہوتی ہے۔ جب کہ اس کی لمبائی ۷۷ گز (۳۳۱ فٹ) ہے اسی طرح بوئنگ ۷۴۷ طیارے کو ایک فٹ بال کے میدان کے وسط میں پارک کر دیا جائے تو اس سو گز طویل میدان کے اطراف میں بنے ہوئے گول نیٹ سے طیارے کی تھوتھنی اور دم کا فاصلہ دونوں طرف صرف ساڑھے چھ گز رہ جائے گا جب کہ اس ۶۰ گز چوڑے فٹ بال کے میدان سے اس کے پر دونوں جانب ساڑھے سات فٹ باہر نکلے رہیں گے۔

اس طیارے میں ۴۹۰ مسافروں کے بیٹھنے کی گنجائش ہوتی ہے۔ طیارے کی اندرونی چھت فرش سے ۸ فٹ اونچی ہوتی ہے۔ جب کہ سطح زمین سے طیارے کا کیبن اتنا بلند ہوتا ہے کہ اگر آپ ۱۳ مرتبہ کیبن میں داخل ہوں اور زمین پر اتریں تو اس طرح آپ ایک میل کی مسافت کے برابر فاصلہ طے کر لیں گے۔

ایک مسافر بردار بوئنگ ۷۴۷ میں ۲۰ ٹن سامان کی باربرداری کے لئے بھی گنجائش ہوتی ہے اور اس مقصد کے لئے ۴۵۰ مربع فٹ جگہ مخصوص ہوتی ہے۔ جمبوجیٹ کا وزن سطح زمین پر ۳۵۷ ٹن (۳،۵۷،۰۰۰ کلو گرام) ہوتا ہے طیارے پر ائر لائن کے مخصوص رنگ کی چوڑی پٹی اور پی آئی اے

برطانوی فوج کی فتح اور واشنگٹن پر قبضہ لائقِ ذکر ہے۔

انیسوی صدی کے وسط میں راکٹ سازی کے میدان میں برطانوی انجینئر ولیئم ہیل (William Hale) نے شہرت پائی۔ امریکا نے اس کے بنائے ہوئے راکٹ کے حقوق (Patentrights) حاصل کر کے اس کے استعمال کا سلسلہ آگے بڑھایا۔ امریکا کی خانہ جنگی (۱۸۶۱ء تا ۱۸۶۵ء) میں بھی راکٹ استعمال کئے گئے۔

بیسویں صدی میں ایک امریکی رابرٹ ہچنگز گوڈارڈ (Robert Hutchings Godard) کے تجربات رنگ لائے۔ جنگِ عظیم اوّل میں اس نے مختلف ڈیزائن کے کئی راکٹ تیار کئے۔ ۱۶ مارچ ۱۹۲۶ء کو وہ مائع آکسیجن اور گیسولین کے ایندھن سے چلنے والے پہلے راکٹ کا مظاہرہ کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ محض ۴۱ فٹ (۱۲ میٹر) کی بلندی تک پرواز کے بعد ۱۸۴ فٹ (۵۶ میٹر) کے فاصلہ پر گرنے والا یہ راکٹ جدید راکٹ سازی کی تاریخ میں سنگِ میل ثابت ہوا۔

گوڈارڈ نے "انتہائی بلندی تک پہنچنے کا طریقہ" کے موضوع پر اپنے مقالہ میں راکٹ کے چاند تک جانے کے امکان کا جائزہ لیا۔ ۱۹۲۳ء میں ریاضی کے ایک جرمن معلّم ہرمن اوبرتھ (Hermann Oberth) نے اپنی کتاب "راکٹ سیاروں کے نظام میں" راکٹ کی انسان بردار خلائی مُہمّات کے امکانات کی نشان دہی کی۔

دوسری جنگِ عظیم اور اس کے بعد کے دور میں راکٹ سازی کے شعبہ میں بہت ترقّی ہوئی اور آج جنگی اور خلائی مُہمّات میں استعمال ہونے کے علاوہ راکٹ موسم کا حال جاننے کے لئے بھی استعمال کئے جاتے ہیں۔ جنگی راکٹ اور گائیڈڈ میزائل کی اقسام یہ ہیں۔ زمین سے زمین پر، زمین سے فضا، فضا سے زمین اور فضا سے فضا میں مار کرنے والے میزائل۔

کلسٹر ڈراکٹ اور ونگ والے راکٹ) بہت بعد میں ایجاد ہوئے۔ اس سلسلہ میں سولھویں صدی کے رومانی فوجی افسر کونراڈ ہاس (Conrad Hass) کے راکٹ ڈیزائننگ کا ذکر فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ ۱۵۹۰ء میں آتشیں کام کے جرمن ماہرین نے ہاس کے ڈیزائن ایک مختصر کتاب میں شائع کئے۔ اس کے بعد ایک پولش ماہر نے انھی ڈایزائنز کو اپنی کتاب میں شامل کیا جو فرنچ، جرمن، انگریزی اور ولندیزی زبانوں میں ترجمہ کی گئی۔ افسوس اس کی محنت سے کئی سو برس تک استفادہ نہیں کیا گیا۔

ایک جرمن کرنل نے ۳۲ پونڈ (ساٹھ کلو گرام) وزنی راکٹ تیار کیا، یہ ۱۶۶۸ء کی بات ہے۔ لکڑی سے بنے ہوئے اس راکٹ پر سیل کلاتھ (Sail Cloth) گلو (Glue) سے چپکا ہوا تھا اور اس میں ۱۶ پونڈ (۳ء۷ کلو گرام) وزنی دھماکہ خیز مادہ بھرا ہوا تھا۔ اس کے بعد تقریباً سو برس تک راکٹ کا استعمال برائے نام رہا۔

اٹھارویں صدی میں ہمیں دو نام راکٹ سازی اور جنگ میں اس کے استعمال کے ضمن میں، بہت نمایاں نظر آتے ہیں۔ یہ ہماری آزادی کے اولین ہیرو میسور کے حکمراں سلطان حیدر علی اور ان کے قابلِ فخر سپوت ٹیپو سلطان ہیں۔ حیدر علی نے پہلی مرتبہ راکٹ کے لئے دھات کے بنے ہوئے سلنڈر استعمال کئے۔ اس قسم کے راکٹ کا دھماکہ بہت شدید تھا، حالانکہ ان راکٹوں کی تیاری میں نرم اور خام لوہا استعمال کیا گیا تھا۔

ٹیپو سلطان نے راکٹوں کے جنگ میں استعمال کا سلسلہ جاری رکھا اور اس جنگی تکنیک میں مزید جدت پیدا کی۔ اس نے راکٹ بردار سپاہ کی تعداد بارہ سو سے بڑھا کر پانچ ہزار کر دی۔ ۱۷۹۲ء اور ۱۷۹۹ء میں سرنگاپٹم کی لڑائیوں میں راکٹ کا انگریزوں کے خلاف موثر استعمال خصوصاً قابلِ ذکر ہے۔

انیسویں صدی میں برطانیہ کے ولیئم کونگریو William Congreve نے راکٹ کی ایجاد کے لئے اپنے طور پر کام کا آغاز کیا۔ اس کے بنائے ہوئے راکٹ زمین سے A کی شکل کی سیڑھی کے ذریعہ افقی سمت میں چھوڑے جاتے تھے۔ اس نے راکٹ کی ترقی کے لئے کام جاری رکھا اور کچھ عرصہ کے بعد اس کے بنائے ہوئے راکٹ دنیا بھر میں مقبول ہو گئے۔ ۱۸۰۹ء میں بولون (فرانس کا ساحلی شہر) سائیڈ اسٹک سے جڑے ہوئے راکٹوں کی بارش کا نشانہ بنا۔ ۱۸۰۷ء میں کوپن ہیگن کا بڑا حصہ راکٹوں کی فائرنگ سے نذرِ آتش اور زمیں بوس ہوا۔ لیپزگ (Leipzig) کی جنگ اور ڈانزگ (Danzig) کے محاصرہ میں بڑے پیمانہ پر راکٹوں کا استعمال ہوا، ڈانزگ پر قبضہ اسی ایجاد کے طفیل ممکن ہوا۔

۱۸۱۲ء اور ۱۸۱۴ء میں برطانیہ اور امریکہ کے مابین ہونے والی جنگوں میں راکٹ نے فیصلہ کن کردار ادا کیا۔ اس ضمن میں ۲۴ اگست ۱۸۱۴ء کو جنگ بلیڈنس برگ (Bladens Burg) میں

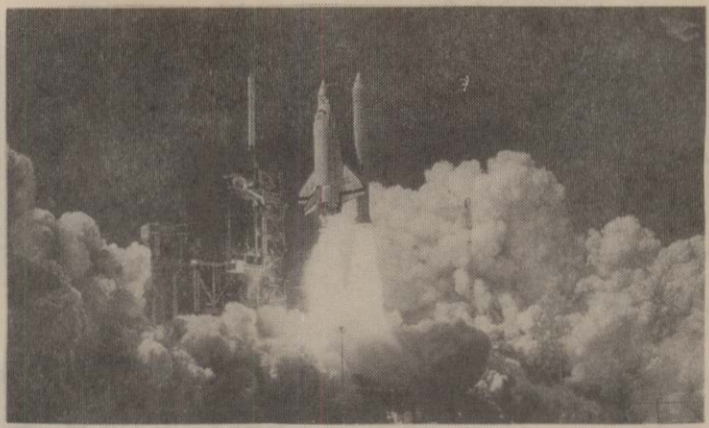

موجودہ راکٹ کی بالکل ابتدائی شکل بلکہ خاکہ سمجھا جا سکتا ہے۔ غالباً یہ راکٹ ٹیوب کی شکل کے تھے، جن کے کیس (خول) مضبوطی سے بندھے ہوئے کاغذ سے بنائے گئے ہوں گے، ان پر شیلاک Shellac (وارنش کے لئے استعمال ہونے والی لاکھ) لگائی گئی ہوگی، دھماکہ سے راکٹ کو حرکت دینے (Propulsion) کی غرض سے تارکول، شورہ اور گندھک کا آمیزہ استعمال ہوا ہو گا۔

۱۲۴۸ء میں سیاہ سفوف (بارود) کے فارمولے پہلی مرتبہ مرتب کئے گئے۔ یہ کام Epistola (ایپسٹولا) کے مصنف انگریز سائنس داں روجر بیکن Roger Bacon نے کیا۔ اسی دور میں جرمنی کے البرٹس میگنس (Albertus Magnus) نے راکٹ کے لئے دھماکہ خیز مادہ کے فارمولے اپنی کتاب "ڈی میرابلی بس منڈی" (De Mirabilibus Mundi) میں درج کئے۔

۱۳۲۵ء میں آتشیں ہتھیار پہلی مرتبہ منظرِ عام پر آئے۔ ان میں بند ٹیوب اور ایک گیند کو کچھ فاصلہ تک دھکیلنے کے لئے سیاہ سفوف استعمال کیا گیا تھا۔ اس کے بعد سائنس دانوں نے بندوق اور راکٹ کی ایجاد کی راہیں الگ الگ کر دیں۔

فرانس کے مؤرخ ژاں فواساغ نے یہ خیال پیش کیا کہ اگر راکٹوں کو ٹیوب سے فائر کیا جائے تو یہ صحیح سمت میں سفر کر سکتے ہیں۔ ایک اطالوی مصنف نے متعدد نئے ہتھیار، راکٹ پروپلشن کے اصول پر تیار کئے، جن میں راکٹ سے چلنے والی گاڑی، جس کا مقصد دیواروں یا دروازوں میں شگاف ڈالنا تھا، اور زیرِ آب چلنے والا نیول تارپیڈو بھی شامل تھا جو بحری جہاز میں اپنی نوک سے سوراخ کر دیتا تھا۔

جدید طرز کے راکٹ (اسٹیج والے راکٹ،

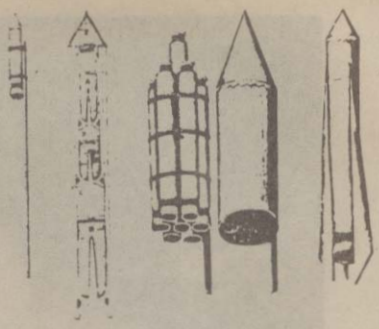

جس کا اعتراف مغربی محققین بھی کر چکے ہیں۔
آیئے پہلے راکٹ سازی کی تاریخ کا جائزہ لیں۔

تاریخ کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ راکٹ کی ایجاد کی کوششوں کا سلسلہ کئی صدیوں پر پھیلا ہوا ہے۔ اس ضمن میں اوّلین کوشش کا سہرا مغربی اسکالر چین کے باشندوں کے سر باندھتے ہیں، جو زمانۂ قدیم سے آتش بازی کے شغل کے سبب مشہور ہیں۔ یہ ۱۲۳۲ء کی بات ہے۔ جنگلی دہشت گرد منگول پوری دُنیا پر چھا جانے کے عزم کے ساتھ آگے بڑھ رہے تھے۔ چین کا صوبہ ہونان ان کی یلغار کا نشانہ بنا، صدر مقام کائے فنگ کے گرد منگولوں نے محاصرہ کر لیا۔ ایسے میں محصور چینی اپنے دفاع کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے "آگ کے اڑتے ہوئے تیر" برسا کر منگولوں کو حواس باختہ کر دیا۔ یہ تیر "راکٹ نما" تھے؟ یہ بات مشکوک ہے، البتہ یہ بات وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ ۱۲۳۲ء کے لگ بھگ چینی سیاہ سفوف یعنی بارود کی دریافت اور اس سے دھماکہ خیز بم کی ایجاد میں کامیاب ہو چکے تھے۔ ایک اندازہ کے مطابق چینی راکٹ کے طریقہ کار کا تجربہ بھی کر چکے تھے، چنانچہ ایک مدّت کے بعد ملنے والی ایک چینی فوجی دستاویز میں دھماکہ خیز سفوف کے راکٹوں، جن کے ساتھ تیر اور نیزے بندھے ہوئے تھے، کی ڈرائنگ بنی ہوئی ہے۔ ان راکٹوں کے ساتھ محرک جیٹ (Propulsive jet) بھی لگائے گئے تھے۔

یہاں ہمیں یہ بات یاد رکھنا چاہئے کہ "آتشیں تیر" کا استعمال چینیوں سے بہت پہلے ۷۱۲ء میں مسلمان دیبل کے محاصرہ کے موقع پر کر چکے تھے۔

تیرھویں صدی میں یورپ میں راکٹوں کی تیاری کا سلسلہ شروع ہوا۔ راکٹ کے پہلی مرتبہ استعمال کا سراغ ۱۲۴۱ء میں ملتا ہے اِس سال منگولوں نے لیگنیکا (Legnica) کی جنگ میں راکٹ استعمال کئے۔

ایک روایت کے مطابق ۱۲۴۹ء میں جزیرۂ نما آئبیریا (Iberia) پر عربوں کے حملہ میں بھی راکٹ استعمال کئے گئے۔ ۱۲۸۸ء ویلنسیا (Valencia) (اسپین کا صوبہ اور شہر) پر راکٹوں کی بوچھاڑ ہوئی۔ ۱۳۷۹ء میں اٹلی میں راکٹ کے استعمال کی ابتدا ہوئی، پادوان Paduans (قدیم رومی باشندے) نے پہل کی، پھر ۱۳۸۰ء میں وینیشنز Venetians (وینس Venice کے باشندے) نے راکٹ استعمال کئے۔ ان راکٹوں کو

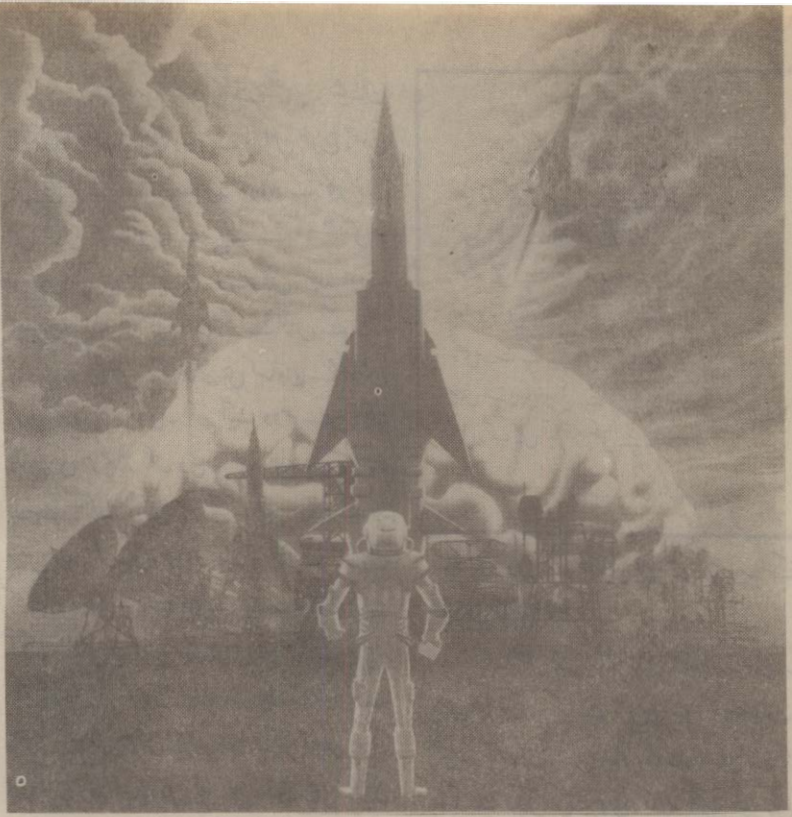

راکٹ جسے ٹیپو سلطان نے بھی استعمال کیا

سہیل احمد صدیقی

میسور کے بہادر سلطان حیدر علی اور ان کے جری فرزند ٹیپو سلطان کے نام اور کارناموں سے آپ یقیناً واقف ہوں گے، مگر کیا آپ نے کبھی سنا ہے کہ ان دونوں نامور جرنیلوں نے راکٹ سازی کی ترقی میں بھی حصہ لیا؟ ہم میں سے بہت لوگ یقیناً اس بات سے ناواقف ہوں گے۔ یہ وہ حقیقت ہے

تقاریر کیں جو سراسر جھوٹ کا پلندہ تھیں۔ شیطان نے کہا کہ اگر یہ ایک دوسرے کی اس طرح جھوٹی تعریفیں کرنے لگے تو یہ جلد ہی ہمارے کارکنوں میں شامل ہو جائیں گے۔ چیلے نے کہا "ابھی تو لومڑیوں کی سی حرکتیں کر رہے ہیں، جلد ہی یہ بھیڑیوں کی سی حرکتیں اختیار کرنے لگیں گے۔"

دوسرا دور چلا اس کے ساتھ ہی کسانوں نے بکواس کرنی شروع کر دی۔ اور ایک دوسرے پر گالم گلوچ کی بوچھاڑ کر دی۔ اور جلد ہی دست بدست جنگ شروع ہو گئی۔ ایک دوسرے پر برتن اور کرسیاں ماری جانے لگیں۔ میزبان کسان کی بڑی مرمت ہوئی۔ چیلے نے ابلیس سے کہا کہ "ابھی یہ جنگلی سوّروں کی سی حرکات کریں گے ذرا انتظار کرو۔" تیسرا دور چلا تو انہوں نے چیخنا، چلانا شروع کر دیا اور شور مچا کر آسمان سر پر اٹھا لیا۔ اور جانوروں کی سی آواز میں رینکنے لگے۔

اس قدر شور و غل، ہلڑ بازی ہوئی کہ خدا کی پناہ اور ایسی افراتفری ہوئی کہ جس کا منہ جدھر اٹھا بھاگ نکلا۔ کئی غنودگی کی حالت میں صحن میں گر پڑے اور لڑکھڑاتے ہوئے رخصت ہوئے۔ ہمارے کسان نے عالمِ بے خودی میں باہر کا رخ کیا۔ مگر دروازے کے پاس ہی گر پڑا اور کیچڑ اٹھا اٹھا کر منہ اور جسم پر ملنے لگا۔

ابلیس اس ساری کارروائی پر پھولا نہ سمایا اور اپنے چیلے کو جی بھر کر داد دینے کے بعد کہا کہ تم نے جانوروں کے خصائل ان میں کیسے پیدا کئے؟ شیطان کا چیلا بولا۔

"دراصل میں نے اندازہ لگایا کہ کسان کے پاس اتنا غلہ ہو گیا ہے جس کی اس کو ضرورت نہ تھی۔ جانوروں کے خصائل کا مادہ انسان کے اندر ہوتا ہے رزق کی فراوانی، بے فکری اور مال و دولت کی ریل پیل اس جذبہ کو اجاگر کر دیتی ہے اور وہ خدا کو بھول کر غلط راستوں پر چل نکلتا ہے۔ وہی خدا کی نعمت جسے کھا کر انسان اطمینان کی نیند سوتا ہے اس کے لئے عیش و عشرت اور بے حیائی کے دروازے کھول دیتی ہے۔" شیطان اپنے چیلے کی عالمانہ باتیں سن کر کچھ دیر تو ہکا بکا اسے دیکھتا رہا پھر اپنی پگڑی اتار کر اس کے سر پر رکھی اور فوراً اسے اپنا نائب اور چیلوں کا سردار بنا دیا۔

شارک مچھلی

شارک مچھلی سمندر میں رہنے والی تیز رفتار اور خونخوار مخلوق ہے۔ یہ ۵۵۰ گز تک آواز بآسانی سن سکتی ہے اور آدھے میل سے شکار کی خوشبو سونگھ لیتی ہے اور اگر اس کا شکار ریت کی تہہ میں چھپا ہوا ہو تو اس کے جسم سے برقی رو نکلتی ہے جس سے یہ مچھلی ریت کے نیچے بھی شکار ڈھونڈ لیتی ہے۔ اس کی بینائی انسان کی بینائی سے دس گنا تیز ہوتی ہے۔ یہ مچھلی رنگ میں تمیز کر سکتی ہے۔

مرسلہ:۔ عبدالسلام غوری. بھکر

اعمال نامہ سیاہ ہونے کا سامان پیدا ہو جائے گا۔ دراصل یہ کسان بیحد نیک تھا اور شیطان چاہتا تھا کہ اس کو گمراہ کرے۔ اس سے پہلے اس نے کئی چیلے بھیجے تھے جو ناکام ہو کر آگئے تھے یہ چیلا بھی انہی کوششوں میں مصروف تھا۔ مگر اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اس نے دیکھا کہ کسان نے پانی پیا اور تھوڑی دیر آرام کے بعد دوبارہ تپتی دھوپ میں کام کرنا شروع کر دیا۔ اس چیلے کو بڑی مایوسی ہوئی کیونکہ شیطان (ابلیس) نے وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ اس کسان کو گمراہ کر دے تو وہ اس کو اپنا نائب بنائے گا کیونکہ اس جگہ پر صرف یہی کسان تھا جو نیک تھا اور شیطان اس کو دیکھ دیکھ کر جلتا تھا۔ شیطان کے چیلے نے کچھ سوچا اور پھر خوشی سے اچھل پڑا۔ تھوڑی دیر بعد ایک عام کسان کے روپ میں اس کے پاس آیا اور کہا کہ کیا میں آپ کی مدد کر سکتا ہوں؟ کسان نے کہا۔ "کیوں نہیں! بالکل بالکل۔" پہلے سال چیلے نے اس کو مشورہ دیا کہ وہ نشیبی علاقے میں کاشت کرے، چنانچہ اس کسان نے یہی کیا۔ اس سال بارش بالکل نہ ہوئی اور سورج کی تپش سے کھڑی فصلیں جل گئیں مگر ہمارے کسان کو کوئی نقصان نہ پہنچا۔ بلکہ بیحد منافع ہوا۔ اگلے سال چیلے نے مشورہ دیا کہ پہاڑی ڈھلان پر کاشت کرو۔ اس مرتبہ بھی عمل ہوا۔ اس سال بارشیں بیحد ہوئیں اور تقریباً تمام علاقے کی فصلیں پانی میں ڈوب گئیں مگر ہمارے کسان کو حد سے زیادہ فائدہ پہنچا۔ غلے سے کمرے بھر گئے اور منڈی میں بھاؤ تیز ہو گئے۔ کسان کی مسرت کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ غلے کی فروخت کے بعد بھی کافی سارا غلہ بچ گیا۔ اتنے میں چیلے نے اس کو بتایا کہ کس طرح گندم سے شراب تیار کی جاتی ہے کسان نے ووڈکا (روسی شراب) کو خود بھی چکھا اور کاروبار کے طور پر بھی فروخت کیا۔ دولت کی ریل پیل نے اس کے دماغ سے مفلسی و تنگدستی کے ایّام اس طرح بھلا دیئے جیسے وہ کبھی آئے ہی نہ تھے۔ شیطان کے چیلے نے شیطان کو اپنی کامیابی کے بارے میں بتایا تو ابلیس بے یقینی کی حالت میں بولا "واقعی! کیا تم نے واقعی ایسا کیا ہے؟ اور اس کسان کو گمراہ کر دیا ہے؟" پھر شیطان نے خوشی کے مارے کہا کہ فکر نہ کرو شام کو میں تمہاری کارگزاری دیکھنے ضرور جاؤں گا۔

اس شام کسان نے ایک دعوت کا اہتمام کیا تھا کسان نے تمام رئیسوں اور بڑے بڑے زمینداروں کو بلایا تھا اور اب ان کو شراب کے جام بھر بھر کر دینے کے علاوہ خود بھی پی رہا تھا۔

شیطان اور اس کا چیلا زمین کی طرف آئے اور کسان کے گھر میں چھپ گئے۔ ابلیس ان سب کو شراب پیتے دیکھ کر دھیرے سے مسکرایا۔ چیلا بولا "ابھی تو اور بھی بہت کچھ ہونے والا ہے۔" تھوڑی دیر بعد شراب کا پہلا دور چلا اور وہ ایک دوسرے کی تعریف کرنے لگے اور

ابلیس کی رفاقت

تحریر: ٹالسٹائی، ترجمہ: محمد مدثر

روس کا ایک غریب کسان علی الصبح ہل چلانے کھیت میں گیا۔ اس کے پاس دوپہر کو کھانے کے لئے چند چپاتیاں تھیں۔ اس نے ان کو کام کرنے کا آغاز کرنے سے پہلے کوٹ تلے دبا کر کھیت کے کنارے رکھ دیا۔ دوپہر کو جب تھکان سے اس کی طبیعت بوجھل ہو گئی اور بھوک چمک اٹھی تو گھوڑے کو ہل سے الگ کر کے چرنے چھوڑ دیا اور خود گھنے درخت کی چھاؤں میں روٹی کھانے کے لئے بیٹھ گیا۔ مگر جب کوٹ اٹھایا تو روٹیوں کا کہیں پتہ نہ تھا۔ وہ بہت حیران ہوا کہ روٹیاں آخر کدھر گئیں ؟ اس کی سمجھ میں نہ آیا پھر بھی وہ پریشان نہ ہوا۔

اُدھر جھاڑیوں میں ابلیس کا ایک چیلا چھپا بیٹھا تھا۔ اس نے روٹی چرائی تھی اور اب اس انتظار میں تھا کہ کسان گالم گلوچ اور بد زبانی سے اپنی پریشانی کا مداوا کرے گا۔ اور اس طرح اس کا

، خاص نمبروں کے معاملے میں کوئی آپ کو شکست نہیں دے سکتا۔ **نیلو فرامان، بنوں۔** ہمارے اسکول "گورنمنٹ گرلز ہائی اسکول نمبر ۱، بنوں" میں سائنس ٹیچر نہیں۔ ہماری ہیڈ مسٹریس نے اپنے طور پر ایک پرائیوٹ استاد کا بندوبست کیا ہے۔ سرکار ۲۱ ویں صدی میں جانے کی بات کر رہی ہے اور دوسری طرف تعلیمی اداروں کا پُرسانِ حال نہیں۔ اگر یہی حال رہا تو ۲۱ ویں صدی میں ہم کس منہ سے جائیں گے۔ **رباب طاہرہ، گجرات۔** شاید میری قسمت میں انعام نہیں حالاں کہ میں پانچویں جماعت سے آنکھ مچولی کے انعامی مقابلوں میں حصّہ لیتی آرہی ہوں۔ ○ ...... مایوس نہ ہوں۔ انشاء اللہ آپ کو کبھی نہ کبھی انعام مل ہی جائے گا۔ اللہ سے اُمید رکھیں۔ **ولی اللہ کاشان بخاری، کراچی۔** آنکھ مچولی کے خاص شمارے عام شماروں میں اور عام شمارے بالکل ہی عام شماروں میں تبدیل ہونے لگے ہیں۔ میری مُراد صفحات کی کمی سے ہے۔ ○ ...... صفحات میں بالکل معمولی سی کمی رنگین صفحات بڑھا کر کی گئی ہے۔ **محمد عظیم انجم، بلوچستان۔** یومِ دفاع کے حوالے سے ایک مضمون ارسال کیا تھا لیکن آپ نے ...... ○ ...... ہم دفاع ہی نہ کر سکے۔ ردّی کی ٹوکری بیچ میں سے ہی لے اُڑی آپ کے مضمون کو۔ اب آپ کوئی معیاری اور اچھا سا مضمون بھیجیے۔ **آفتاب احمد، ڈنو ماکو۔** یہ میرا چوتھا خط ہے۔ آپ نے میرے لطائف اور معلومات کچھ بھی تو نہیں چھاپا۔ ○ ...... مایوس کیوں ہوتے ہیں؟ آپ کے قابل اشاعت اقوال باری آنے پر شائع ہو جائیں گے جب کہ آپ کا ایک عدد لطیفہ تازہ شمارے میں ہے۔ **... چاچڑ، کندھ کوٹ۔** آپ کو دو تحریریں بھیج چکا ہوں۔ اب تیسری تحریر بھیج رہا ہوں کچھ تو رحم کھائیں ○ ...... رحم تو آرہا ہے لیکن ردّی کی ٹوکری ایسے صفحات ہڑپ کر جاتی ہے جن پر کھچڑی پکی ہوتی ہے مثلاً ایک ہی صفحے پر خط، لطیفہ، اقوال یا مضمون۔ الگ الگ صفحے پر لکھا کیجیے ناں۔ **پرنس افضل شاہین، بہاول نگر۔** گذشتہ دو ماہ سے میری کوئی تحریر شائع نہیں کی گئی اس کی وجہ؟ ○ ...... ردّی کی ٹوکری، جسے غیر معیاری تحریریں بہت پسند ہیں۔ **امتیاز علی لیاقت، کشمور۔** آپ فوج کے بارے میں ہر ماہ مضمون شائع کیا کریں۔ ○ ...... فوج کے بارے میں وقتاً فوقتاً مضامین شائع کرتے رہتے ہیں۔ **غلام عباس خان ہانس، لیّہ۔** آنکھ مچولی کے صفحات بڑھائیں اور تاریخی کہانیاں شائع کریں۔ **حمیرا تبسم، مکلی ٹھٹھہ۔** انکل! "امتحان ہے آپ کی ذہانت کا" ختم کریں۔ ○ ...... کیوں بھئی؟ خدانخواستہ آپ کے پاس ذہانت ختم ہو گئی ہے کیا؟ **محمد اسلم، جلال پور پیروالہ۔** جولائی کے شمارے میں پروفیسر عنایت علی خان کی کہانی "بولتی میّت" میں نمازِ جنازہ، دعائے افطار اور دعائے قنوت کا مذاق اڑایا گیا۔ آپ اس طرح کی تحریریں شائع نہ کریں۔ ○ ...... پیارے بھائی! اس تحریر میں دُعاؤں کا مذاق نہیں اڑایا گیا بلکہ ان مسلمانوں کو آئینہ دکھایا گیا ہے جو خود کو بڑے فخر کے ساتھ مسلمان کہتے ہیں لیکن انہیں دُعائیں تک یاد نہیں رہتیں۔ آپ کو تو یہ دُعائیں یاد ہے ناں؟ **عشرت یوسف، جمشید یوسف، کراچی۔** آپ کی خوبصورت محفل میں پہلی بار شرکت کر رہے ہیں۔ جیولری بکس کا انعام ہمارے لئے کسی "سرپرائز" سے کم نہ تھا۔ آنکھ مچولی کی کہانیوں کا تو جواب ہی نہیں ہوتا لیکن سرورق لاجواب ہوتا ہے خاص کر اگست اور ستمبر کا سرورق دل موہ لینے والا تھا۔ **افیشن کریم، پشاور۔** شاید آنکھ مچولی میں میرے لئے کوئی جگہ نہیں۔ اگر یہ بات ہے تو آپ لکھ دیجیے میں آنکھ مچولی صرف پڑھا کروں گی۔ ○ ...... بھئی! آپ نے تو اتنی جلدی دل چھوٹا کر لیا۔ یہ لیجیے سب سے پہلے اپنا خط پڑھیے۔ **سیّدہ حنا بخاری، کراچی۔** میں آنکھ مچولی بہت شوق سے پڑھتی ہوں۔ کیا آپ میرا خط شائع کر دیں گے۔؟ ○ ...... بالکل جناب!

کا احوال پڑھ کر بے حد مزہ آیا۔ **کاشفہ خاتون، کراچی۔** آنکھ مچولی کی تقریب کی رُوداد پڑھ کر دل بہت چاہا کہ کاش میں بھی اس تقریب میں ہوتی۔ **ایم وقاص انجم، لاہور۔** شرارت نمبر کا اشتہار پڑھتے ہی دماغ کو نت نئی شرارتیں سُوجھ رہی ہیں۔ ○ ..... آپ تو شرارتی معلوم ہو رہے ہیں چلیں! جلدی سے اپنی کوئی دلچسپ سی شرارت لکھ کر بھیج دیجئے۔ **وحید عامر، بوریوالہ۔** آپ کی توجہ اعجاز احمد فاروقی کی تحریر "کشمیر کا بیٹا" کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں جو اس مہینے کے "دوست" میں بھی شائع ہو چکی ہے۔ انکل! یہ تو بُری بات ہے کہ ایک ہی تحریر کو دو جگہ چھپوالیا جائے۔ ○ ..... جی ہاں! یہ واقعی بُری بات ہے۔

محمد شاکر حسین، ٹنڈوالہ یار۔ نشاط رینہ، احمر فرقان ملتان۔ ستمبر کا شمارہ بے حد اچھا رہا۔ **خرم طارق، گوجرانوالہ۔** آنکھ مچولی کا تازہ شمارہ پڑھا بے حد پسند آیا۔ تمام کہانیاں اچھی تھیں۔ **حیدر عباس (؟)** پہلی بار خط لکھا آپ نے نہیں چھاپا دوسری بار لکھ رہا ہوں اُمید ہے کہ اب چھاپ دیں گے۔ **محمد یوسف جوہر، پسنی۔** آنکھ مچولی واحد رسالہ ہے جو پڑھنے والوں کے دل موہ لیتا ہے۔ ○ ..... آپ کی اس بات نے تو ہمارا بھی دل موہ لیا۔ شکریہ! **شازیہ عزیز، کراچی۔** عکس ادھورے کیجئے پورے میں شخصیات کے ادھورے خاکے نہایت آسان تھے۔ ذرا مشکل خاکے دیجئے تاکہ حل کرنے میں مزہ آئے۔ **قیصر حمید نجم، جھنگ صدر۔** ستمبر کے شمارے میں آپ نے میری تحریر کو جگہ دی۔ بہت شکریہ! **محمد ادریس، لنڈی ارباب۔** اس مہینے کا آنکھ مچولی بہت پسند آیا۔ **صفدر حسین، کراچی۔** اتنا عمدہ اور معیاری رسالہ دیکھا تو مجھے بھی قلم اُٹھانا پڑا۔ ○ ..... شکر ہے آپ نے قلم اُٹھایا ورنہ اکثر ساتھی تو تحریریں نہ چھپنے پر "لٹھ" اُٹھا لیتے ہیں۔ **فہمینہ برڑو، ٹھٹھہ۔** نیا انعامی سلسلہ اچھا تو ہے مگر کافی پرانا ہے۔ اسپورٹس میگزین اور دوسرے رسالے ایسے سلسلے کرتے رہتے ہیں۔ **حاجی مظہر حسین لاشاری، بہاول نگر۔** "آنکھ مچولی البم" کی تصویر سے ہم بہت لطف اندوز ہوتے ہیں۔ **سیّدہ صدف عرفان، اسلام آباد۔** "ذرا سا جھوٹ" ارسال کی تھی کچھ پتہ ہی نہیں چلا اب "اچھا پڑوسی" بھیج رہی ہوں۔ ○ ..... ذرا سا جھوٹ تازہ شمارے میں شامل ہے آپ کی دوسری تحریر بھی قابلِ اشاعت ہے۔ **صابر بھمبرو، کراچی،** آنکھ مچولی کے پروگرام میں شرکت کی بہت مزا آیا لیکن مجھے شکایت ہے کہ آپ نے میری کوئی تحریر نہیں چھاپی۔ ○ ..... پروگرام میں شرکت کا بے حد شکریہ! آپ کی شکایت بجا لیکن آپ دلچسپ اور معیاری تحریریں بھی تو بھیجا کیجئے ناں!! **خورشید انور، کراچی۔** اہلِ قلم ایوارڈ کی تقریب میں آپ کی دعوت پر شرکت کرنے کا موقع ملا۔ یہ ایک یادگار تقریب تھی۔ اس کے علاوہ چھوٹے بچّوں کے لئے جو نیا کتابی سلسلہ "تتلی" کے نام سے شروع کیا گیا ہے وہ اُردو صحافت خاص کر بچّوں کے ادب میں ایک مثبت قدم ہے۔ **سلمان مراد، کراچی۔** چار سال سے آنکھ مچولی کے انعامی سلسلوں میں حصّہ لے رہا تھا لیکن کبھی انعام حاصل نہ کر سکا۔ میری یہ خواہش ۶ ستمبر کو "فدان کلب" میں پوری ہو گئی جہاں آنکھ مچولی کی تقریب میں انعامی کوپن پر پہلی بار تحفہ حاصل کیا۔ **محمد جمال گل خان، لاہور۔** آپ کا رسالہ دو سال سے پڑھ رہا ہوں لیکن پہلی بار خط لکھ رہا ہوں۔ عکس ادھورے کیجئے پورے کی تاریخ پندرہ کر دیجئے تاکہ زیادہ سے زیادہ ساتھی شرکت کر سکیں۔ **وحید ابن میر گل، کراچی۔** آنکھ مچولی فیسٹول کی تقریب میں بہت مزہ آیا۔ **آسیہ خانم، نبیلہ خانم، حیدر آباد۔** انکل! جلدی سے شعر و شاعری کا سلسلہ شروع کریں۔ ..... ○ آپ کی خواہش جلد ہی پوری کی جائے گی۔ **فریحہ ابتسام، لاہور۔**

ایک خط ایک مسئلہ۔

جناب ایڈیٹر صاحب۔

نہایت دُکھ اور افسوس کے ساتھ آپ کی توجہ ایک اہم مسئلے کی طرف مبذول کرانا چاہتے ہیں اور وہ مسئلہ ہے ہم طالب علموں کے رعایتی کرایہ میں اضافہ کا۔ بسوں میں پہلے ہمارا رعایتی ٹکٹ تیس پیسے تھا جو بڑھا کر پچاس پیسے اور اب پچھتر پیسے کر دیا گیا ہے۔

ہاف ٹائم میں جن پیسوں سے ہم آلو چھولے کھالیا کرتے تھے وہ اب کرائے کی نذر ہو جاتے ہیں اور پھر اس پر ستم یہ کہ کنڈیکٹر حضرات پچھتر پیسے ادا کرنے پر بھی بُرا بھلا کہتے ہیں، ڈرائیور ہمیں دیکھ کر گاڑی نہیں روکتے۔ کنڈیکٹر اور ڈرائیور کہتے ہیں "ان کم بختوں نے ہماری بسوں کو یتیم خانہ بنا دیا ہے"۔ پھر رات میں جب ہم کوچنگ اور کمپیوٹر سینٹر سے پڑھ کر آتے ہیں تو ساڑھے آٹھ بجے کے بعد ہم سے پورا کرایہ وصول کیا جاتا ہے (یعنی ساڑھے آٹھ بجے کے بعد ایک طالب علم کو طالب علم ہی تسلیم نہیں کیا جاتا۔) ہم کہتے ہیں کہ ابھی مقررہ ٹائم میں پانچ منٹ باقی ہیں تو کنڈیکٹر حضرات گالیاں بکتے ہیں اور دھکے دے دے کر ہمیں بسوں سے اُتار دیتے ہیں لیکن وہ بھی کیا کریں مہنگائی کے ہاتھوں وہ بھی ستائے ہوئے ہیں۔

والدین مہنگائی میں نہ جانے کتنی مشکلوں سے ہمیں پڑھا لکھا رہے ہیں۔ ہم ان کا خواب ہیں اور قوم کا مستقبل لیکن حکومت، تعلیم اور کرائے کو مہنگا کر کے ہمارے ماں باپ کے "خواب" اور قوم کا "مستقبل" چھیننا چاہتی ہے۔

یہ ہمارے ساتھ سراسر ظلم ہے!!!

عبد الماجد، عمران شفیع اور بہت سے طالب علم ساتھی، کراچی

"ملاقات" تازہ شمارے میں شامل ہے۔ لبنیٰ سعدیہ، کراچی۔ اُمید ہے شرارت نمبر ایک چٹ پٹا اور مزیدار نمبر ثابت ہو گا۔ ○ ..... بالکل جناب! آپ بھی کر ڈالئے کوئی مزیدار چٹ پٹی سی شرارت۔ تسنیم سلطان، کراچی۔ اشتیاق احمد کی تحریر "بچاؤ" کی نویں قسط پڑھ کر ہم دھک سے رہ گئے ○ ..... بھئی! لگتا ہے آپ پر بھی فرزانہ کا اثر ہو گیا ہے۔ عمیر خان، کراچی۔ اکتوبر میں شرارت نمبر کا پڑھ کر کچھ شرارتیں بھیج رہا ہوں۔ ○ ..... بھائی عمیر! آپ کی شرارتوں میں مزا نہیں آیا۔ آپ کوئی دوسری مزیدار شرارت بھیجئے۔ صائمہ بشیر عمران محمود، بہاولپور۔ آنکھ مچولی بچوں کا رسالہ ہے۔ اس لئے اس میں بچوں کے ذہن کے مطابق ہی مقابلے کرائے جائیں۔ شہزاد، کراچی۔ اکتوبر کا شمارہ اپنی مثال آپ تھا۔ انکل! آپ نے میرا لطیفہ نہیں چھاپا؟ ○ ..... بھتیجے! تازہ شمارے میں آپ کا لطیفہ شامل ہے۔ نعیمہ فرحین، شجاع میمن، کنڈیارو۔ پہلی بار بخدمت جناب میں شرکت کر رہے ہیں۔ آنکھ مچولی ایک اچھا رسالہ ہے۔ میاں عبد الرزاق، ملتان۔ پہلے آپ نے ایجادات نمبر نکال کر ہمیں سائنس دان بنایا اور اب شرارت نمبر نکال کر شرارتی بنا رہے ہیں۔ ○ ..... چوں کہ آپ میں سے کافی بچوں نے شرارتیں کرنا چھوڑ دی تھیں۔ اس لئے ہمیں شرارت نمبر نکالنا پڑا۔ عامر بشارت بٹ، اوکاڑہ سٹی۔ اشتیاق احمد کے ناول، بچاؤ کی نویں قسط اور عبد القادر صاحب کی مزیدار "بچوں کی قوالی" بے حد پسند آئی۔ محمد شہزاد خان کستوری، کراچی۔ اتحاد کی قوت، بھیج رہا ہوں۔ رائے سے آگاہ فرمائیں۔ ○ ..... بھائی! آپ کوئی اور دلچسپ سی تحریر ارسال کیجئے۔ گلستان احمد، پشاور۔ اکتوبر کے شمارے میں آنکھ مچولی فیسٹول کی تقریب

بہ خدمت جناب

ممتاز الدین احمد، اعجاز الدین احمد، کراچی۔ اکتوبر کا شمارہ اپنی مثال آپ تھا جب کہ سرورق لاجواب تھا۔ "ماورواں کی پہلی بات" "بھائی میں آرہا ہوں" "چھاپہ خانے تک" "ڈاکو اور کوا" "بچاؤ" جیسی تحریروں نے متاثر کیا۔ عبد القادر صاحب کی "بچوں کی قوالی" اس بار بازی لے گئی۔ **افضال احمد خان، اورنگی ٹاؤن۔** انکل! ستمبر کے شمارے میں قلم قبیلے کی ایک تحریر "مسلمان سائنس دان" شہلا صدیقی، ماہنامہ ساتھی (نومبر ۹۲) میں بھی چھپوا چکی ہیں۔ انہیں بلیک لسٹ کیا جائے..... ○ ..... شہلا صدیقی نے غیر اخلاقی حرکت کی ہے۔ انہیں ایسا ہرگز نہیں کرنا چاہئے تھا۔ **محمد اظہر اقبال، کندیاں۔** ایک مضمون "ایٹم بم" روانہ کیا تھا لیکن ابھی تک..... ○ ..... جی ہاں! دھماکہ نہ ہو سکا۔ آپ کوئی دلچسپ اور مزے دار تحریر روانہ کیجئے۔ **سیدہ حنا نورین کاظمی، کراچی۔** اکتوبر کا شمارہ پسند آیا۔ میری "حمد" آپ کو کیسی لگی؟ ○ ..... بھئی حنا! ابھی آپ کو مزید محنت کی ضرورت ہے۔ **محمد عمران احمد چغرزئی، کراچی۔** اکتوبر کے آنکھ مچولی میں "تاریخ کے دریچے سے" "حمد باری تعالیٰ" "سنت رسولؐ کی پیروی کیجئے" "قائد کے ساتھی قوم کے قائد" "بھائی میں آرہا ہوں" "تمہارے بچے سلامت ہیں" "کشمیر کا بیٹا" "اور ماں کا دل" جیسی تحریروں نے بہت متاثر کیا۔ **محمد سلیم، چکوال۔** اکتوبر کا شمارہ پڑھا۔ تمام کہانیاں پسند آئیں۔ **محمد ظہیر، کراچی۔** اس بار الیکشن کے حوالے سے جو تحریریں شائع کی گئیں وہ بچوں سے زیادہ بڑوں کی نمائندگی کر رہی تھیں۔ ○ ..... بچے بھی تو بڑے ہو گئے ہیں بھئی! **مستری اے ڈی رضا، ڈونگہ بونگہ۔** اکتوبر کا آنکھ مچولی اپنی مثال آپ تھا۔ سرورق، کہانیاں، نظمیں، لطائف سب ہی لاجواب تھے۔ ..... ○ ..... مکھن والا خط لکھنے میں آپ کا بھی جواب نہیں۔ رسالے کی پسندیدگی کا شکریہ! **محمد فاروق منیر، لاہور۔** "ملاقات" بھیجی تھی اور "فرض" لیکن دونوں کا پتہ نہیں چلا۔ ○ ..... "فرض" کے لئے معذرت اور

شوق تھا۔ شدید مشقت کے باعث ماں کے پیروں میں درد رہتا تھا۔ مگر وہ مجھے اپنی پیٹھ پر اٹھا کے میلوں پیدل چل کر وقت پر اسکول پہنچاتی۔ اور پھر واپسی میں وہاں سے لے کر آتی۔ ماں مچھلیاں پکڑا کرتی تھی جس سے ہمارا خرچ چلتا۔ میں جب ذرا سمجھ دار ہوا تو ماں کی سخت محنت اور بیماری دیکھ کر پریشان ہو جایا کرتا تو وہ مجھے کہتی کہ جب مصیبتیں اٹھا کر شدید محنت کر کے کوئی کام کیا جائے تو آدمی ضرور کامیاب ہوتا ہے۔ میں اپنی ماں کی اس بات کو ہر پل یاد رکھتا ہوں جو میرا حوصلہ بڑھاتی ہے۔ اسی وجہ سے میں نے اپنی زندگی میں بہت سی کامیابیاں حاصل کی ہیں۔ اس وقت میں جس کام کے لئے سفر کر رہا ہوں مجھے یقین ہے کہ اس سفر کے بعد میں کامیاب لوٹوں گا۔"

وہ فلپائنی مسلسل بولے جا رہا تھا اور اسد اسکی گفتگو دلچسپی سے سن رہا تھا۔ بات کو آگے بڑھاتے ہوئے رینٹ نے کہا۔ "مسٹر اسد کبھی آپکو فلپائن جانا ہو یا کبھی فلپائنیوں سے آپ کی ملاقات ہو تو اس سے پوچھئے گا کہ فلپائن کا سب سے بڑا ریاضی دان کون ہے تو آپکو "مسٹر رینٹ" کا نام معلوم ہو گا جو اس وقت آپکے سامنے ہے۔

کیا آپ جانتے ہیں! مچھلیاں پکڑنے والی اس بیوقوف ناتواں عورت کا ننھا بیٹا ریاضی داں کیسے بنا؟..... میں آپ کو بتاتا ہوں! جب میری ماں مچھلیاں پکڑنے کیلئے دریا میں جال ڈالتی تو میں کنارے بیٹھا دیکھتا رہتا۔ جتنی مچھلیاں جال میں پھنستیں میری ماں مجھے نکال نکال کر دیتی اور میں اسے گن کر ٹوکری میں ڈالتا جاتا۔ جب وہ چلچلاتی دھوپ اور کڑکتے جاڑے میں گلیوں گلیوں مچھلیاں بیچتی تو میں اسے ناپتے تولتے اور گنتے دیکھتا تھا۔ اسی طرح میری اَن پڑھ ماں نے مجھے ریاضی داں بنا دیا۔"

یہ کہہ کر مسٹر رینٹ سسکیوں کے ساتھ رونے لگے۔ وہ روتے جاتے اور کہتے جاتے "ماں تمہیں اللہ جنت میں سب سے اونچا مقام دے۔" مسٹر رینٹ اپنی ماں کی یاد میں گم ہو کر دنیا سے بے خبر ہو گئے تھے۔ اسی وقت ٹرین نے اپنی رفتار ہلکی کی تو اسد نیچے اترا اور پانی کا گلاس لے آیا۔ مسٹر رینٹ نے پانی پی کر شکریہ ادا کیا۔

ٹرین نے دوبارہ رفتار پکڑی تو انہوں نے اپنا بیگ قریب کرتے ہوئے کہا "اگلے اسٹیشن پر مجھے اترنا ہے۔ مسٹر اسد! آپ کا بہت بہت شکریہ کہ آپ نے میری ماں کے تذکرے کو بہت توجہ اور عقیدت سے سنا۔"

اگلے اسٹیشن پر مسٹر رینٹ ہاتھ ہلاتے ہوئے اتر گئے۔ اسد کھڑکی سے انہیں دیکھتا ہوا زور سے بولا۔ "مسٹر رینٹ آپ کا شکریہ۔ آپ کی کہانی سن کر میں اپنے دکھ بھول گیا۔" پھر اپنے آپ سے بولا۔ "خدا کا شکر ہے کہ میری اور میری ماں کی زندگی اتنے غربت اور مصائب میں نہیں گزری جتنی کہ مسٹر رینٹ کی گزری ہے۔"

اجازت نہیں مل سکتی تھی۔

اسد کو اپنے والد کی پریشانیوں کا شدت سے احساس تھا۔ لہٰذا وہ ان سے رقم کا تقاضہ کر کے انہیں مزید پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا۔ آخر طویل مسافت طے کر کے پیدل اپنے بھائیوں کے گھر پہنچا۔ ٹوٹی ہوئی چپل ہاتھوں میں، گرد میں اٹی، بٹن کے بغیر شرٹ کو اس نے آگے سے تین جگہ پکڑ کر گرہ لگا رکھی تھی۔ بھائیوں نے اسے دیکھ کر منہ بنایا۔ بھتیجے خوب ہنسے۔ "آہا..... چھوٹے چچا جو کر بنے ہوئے ہیں۔"

ڈر کے مارے اس کی ہمت ہی نہ ہوئی کہ فیس کیلئے رقم مانگتا۔ بڑے بھائی تو اس کا حال دیکھ کر بہت ناراض ہوئے۔ اور اپنی گاڑی پر اسے سارے راستے ڈانٹتے ہوئے گھر چھوڑ آئے۔

ہر طرف سے وہ مایوس ہو کر صحن میں بیٹھ گیا۔ یکایک اسکی نظر کونے میں لگے لیموں کے پودے پر پڑی جس میں بے شمار پیلے پیلے لیموں سبز پتوں کے درمیان جھول رہے تھے۔ اسد نے جلدی جلدی لیموں توڑنا شروع کیا اور ٹوکری بھر کر فوراً بازار میں بیچ آیا۔ یوں اسکی فیس ادا ہوگئی۔ کسمپرسی کے وہ دن یاد کر کے اسکی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔

ٹرین کسی اسٹیشن پر ٹھہری تو مختلف آوازوں سے اس کے خیالات کا تسلسل ٹوٹ گیا۔ اس نے ڈبے پر نظر ڈالی جو خالی ہو چکا تھا۔ صرف ایک تقریباً ساٹھ سالہ غیر ملکی شخص بیٹھا، اسی کی جانب دیکھ رہا تھا۔ تھوڑی دیر تک وہ اسے دیکھ کر مسکراتا رہا پھر آہستہ سے اٹھ کر آیا اور اسکی جانب ہاتھ بڑھاتا ہوا بولا۔ "میں رینٹ ہوں، اس ڈبے میں اب ہم دونوں ہی رہ گئے ہیں۔" اسد نے مصافحے کے لئے اس کا بڑھا ہوا ہاتھ تھامتے ہوئے اپنا تعارف کرایا تو اس شخص نے کہا۔ "میرا تعلق فلپائن سے ہے اور میں کوئٹہ میں اپنے ایک پاکستانی دوست سے ملنے آیا ہوں۔ اس وقت ایک اہم سرکاری کام سے کراچی جا رہا ہوں۔"

"بہت خوب! تو آپ مہمان ہیں ہمارے ملک میں" ..... اسد نے کچھ توقف کے بعد کہا "مسٹر رینٹ سفر کے لئے آپ کو بہترین سہولتیں ملنی چاہئے تھیں۔ لیکن آپ ایک عام سے ڈبے میں تکلیفیں اٹھا رہے ہیں۔" اس سے آگے اسد مزید کچھ کہتا کہ مسٹر رینٹ بول پڑے۔ "ہاں ہاں بالکل آپ ٹھیک سوچ رہے ہیں۔ آپ کے ملک میں مجھے بہتر سہولتیں فراہم کی گئی ہیں۔ لیکن شاید آپ کو یہ سن کر حیرت ہو کہ میں اپنا ہوائی ٹکٹ کینسل کر کے ٹرین کے اس ڈبے میں بیٹھا ہوں۔"

"کیوں"..... ؟ اسد حیرت سے اچھل پڑا۔

"مجھے ماں یاد آگئی تھی۔" مسٹر رینٹ اپنی ماں کو یاد کر کے اداس ہوگئے۔ اور بولے، "میری ماں نے بہت جدوجہد سے میری پرورش کی۔ میں اس وقت بہت چھوٹا تھا۔ جب میرے والد کا انتقال ہوگیا۔ ہم لوگ بہت غریب تھے۔ اتنے غریب کہ عموماً فاقے کی نوبت آجاتی۔ مجھے پڑھنے کا بے حد

دو مسافر

فرزانہ روحی

ٹرین پٹڑی پر برق رفتاری سے دوڑ رہی تھی۔ تھوڑی دیر پہلے اس ڈبے میں بہت رش تھا۔ مگر اب لوگوں کا ہجوم کم ہوگیا تھا۔ جو لوگ رہ گئے تھے وہ کھڑکیوں سے باہر کا نظارہ کر رہے تھے۔ اسد بھی انہی میں تھا۔ وہ نوکری کے سلسلے میں انٹرویو دینے گاؤں سے شہر جا رہا تھا۔ کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے اسکی نظر لیموں کا شربت بیچنے والے پر پڑی جس کے ٹھیلے پر رکھی ہوئی ٹوکری میں پیلے پیلے لیموں بھرے ہوئے تھے۔ لیموؤں سے بھری ٹوکری دیکھ کر وہ گزرا ہوا وقت اسکی نگاہوں کے سامنے آگیا جب اسکی والدہ شدید بیمار تھیں۔ والد ریٹائر ہو چکے تھے۔ وہ کل نو بہن بھائی تھے۔ دو بڑے بھائی اعلیٰ عہدے پر فائز تھے۔ اور سب سے الگ بیوی بچوں کے ساتھ خوش و خرم زندگی گزار رہے تھے۔ انھیں نہ ماں کی علالت کی فکر تھی نہ باپ کی پریشانیوں کی۔ تین بہنوں کی شادیاں ہو چکی تھیں جس کی وجہ سے وہ دور جا بسی تھیں۔ جبکہ تین بھائی اس سے چھوٹے تھے۔ ساری جمع پونجی والدہ کی بیماری میں خرچ ہو چکی تھی۔ کل آخری تاریخ تھی اگر وہ فیس جمع نہ کراتا تو اسے میٹرک کا امتحان دینے کی

گی۔

سوال: کیا میں ردّی کی ٹوکری سے مل سکتا ہوں؟

جواب: بالکل مل سکتے ہیں یہ میری میز کے نیچے ہی بیٹھی رہتی ہے۔

سوال: ہوں..... بڑا چھپا کر رکھتے ہیں شاید اس لئے کہ کہیں کوئی ناراض بچہ اس پر قاتلانہ حملہ نہ کر دے۔ کیوں یہی بات ہے نا؟

جواب: بڑے سمجھ دار ہیں آپ۔

سوال: ارے..... یہ تو چھوٹی سی ہے..... پھر یہ اتنی ڈھیر ساری تحریریں ہضم کیسے کر لیتی ہے؟

جواب: (ہنستے ہوئے) بھئی اس سلسلے میں جمعدار اس کی مدد کرتا رہتا ہے۔

سوال: اچھا..... اچھا..... ہاں تو ردّی کی ٹوکری صاحبہ آپ کی صحت تو کافی قابل رشک ہے اس کا راز کیا ہے؟

ردّی کی ٹوکری:۔ جی میری صحت کا راز گھسی پٹی، پرانی اور نقل شدہ تحریریں ہیں جو ناقابل اشاعت ہو کر میری آغوش میں پناہ لیتی ہیں اور میں انہیں ہضم کرنے میں لگی رہتی ہوں۔ میرے ہاضمے میں جمعدار بھیّا میری مدد کرتے ہیں۔

سوال: بچّوں کو آپ سے گلہ ہے کہ آپ ان سے خدا واسطے کا بیر رکھتی ہیں اور ان کی کہانیوں، خطوط وغیرہ کی بُو دور سے سونگھ لیتی ہیں؟

جواب: یہ بچوں کی غلط فہمی ہے کہ میں ان کی دشمن ہوں میں تو ان کی ہمدرد ہوں کیونکہ میں انہیں سچی لگن اور محنت کے ساتھ کام کرنے کا پیغام دیتی ہوں اور ہاں..... میں ان کی خراب تحریروں کی بو دور سے سونگھتی ہوں اچھی تحریروں کی نہیں۔

سوال: ویسے آپس کی بات ہے آپ کو میری تحریریں کیسی لگتی ہیں؟

جواب: بہت مزیدار۔ ویسے آپس کی بات ہے کیا آپ بھی لکھتے ہیں؟

سوال: اوہو..... تو گویا میری تحریر سے آپ کی اب تک ملاقات نہیں ہوئی۔ یہ تو میرے لئے بڑی اچھی بات ہے۔ خدا کرے آئندہ بھی نہ ہو اچھا..... آپ کی کوئی آخری خواہش؟

جواب: کیوں جی.....؟ کیا مجھے پھانسی دینے کا ارادہ ہے۔ کیونکہ آخری خواہش تو پھانسی پانے والے مجرموں سے پوچھی جاتی ہے۔

سوال: نہیں ٹوکری جی! میرا تو ایسا ارادہ نہیں، لیکن اکثر بچّوں کی یہ خواہش ضرور ہے۔"

جواب: اگر یہ بات ہے تو پھر میرا بہت دل چاہتا ہے کہ مجھے آنکھ مچولی میں پابندی سے چھپنے والے مشہور لکھاریوں کی تحریریں کھانے کو ملیں تاکہ ذرا منہ کا ذائقہ بھی بدلے۔

سوال: ٹوکری صاحبہ آپ کا بہت بہت شکریہ۔ اچھا مدیر اعزازی بھائی آخر میں آپ کوئی پیغام دینا چاہیں گے؟

جواب: جی ہاں! میرا پیغام بچوں کو یہ ہے کہ کم لکھو اپنا لکھو، اچھا لکھو۔

ہم: بہت بہت شکریہ!

مدیر اعزازی: آپ کا بھی شکریہ!

یہ سوچیں کہ آخر ان کی تحریر میں وہ کون سی خامی تھی جس کی وجہ سے وہ شائع نہیں ہوئی۔ دیکھئے نا ہم نے بھی جب لکھنا شروع کیا تھا تو اکثر ہماری تحریریں بھی ناقابل اشاعت ہو جاتی تھیں لیکن ہم نے ہمت نہیں ہاری اور مسلسل لکھتے رہے۔ میں ایک اور بات بتاتا چلوں کہ ہم ان دھمکیوں کا اثر نہیں لیتے۔ یوں کہئے کہ ہم ان کے عادی ہو چکے ہیں۔ دیکھئے نا معیار کو برقرار رکھنے کے لئے کچھ اصولوں کی پابندی تو کرنی ہی پڑتی ہے۔

سوال: آپ پر ایک الزام یہ بھی ہے کہ آپ صرف اپنے رشتہ داروں کو اپنے رسالے میں جگہ دیتے ہیں یا دوسرے لفظوں میں اقربا پروری کے مرتکب ہوتے ہیں؟

جواب: یہ کہنا تو سراسر زیادتی ہے اگر ایسی بات ہوتی تو آنکھ مچولی کو صرف رشتہ دار ہی پڑھتے اور یہ پورے ملک میں مقبول نہ ہوتا۔ دوسری بات یہ کہ ہمارے رشتہ داروں میں پڑھنے پڑھانے کا شوق تو پایا جاتا ہے لیکن لکھنے لکھانے کا شوق کسی میں نہیں ہے۔

سوال: بچے کہتے ہیں کہ آپ ان کی کہانی تو درکنار چھوٹا سا خط تک شائع نہیں کرتے؟

جواب: جہاں تک خطوط کا تعلق ہے تو عرض یہ ہے کہ اس سلسلے میں ہمارے پاس جگہ کی کمی ہوتی ہے اور خطوط بے شمار ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ خطوط شائع کئے جاتے ہیں جن میں رسالے کے متعلق کوئی اچھی تجویز ہو یا پھر اس کی خامیوں کی نشاندہی کی گئی ہو۔ اس کے باوجود بھی بچوں کو اپنی باری کا انتظار کرنا چاہئے۔

سوال: بچوں کو ایک شکایت یہ بھی ہے کہ آپ صرف منیر احمد راشد، سید کاشان جعفری، محمد عمر احمد خان، شگفتہ شمیم اور محمد عادل منہاج کے علاوہ کسی کی تحریریں شائع نہیں کرتے بلکہ ردّی کی ٹوکری کی نذر کر دیتے ہیں؟

جواب: یہ شکایت نہیں الزام ہے۔ ہر رسالے کے کچھ مستقل قلم کار ہوتے ہیں۔ جن ادیبوں کے آپ نے نام لئے وہ ہمارے مستقل لکھنے والوں میں شامل ہیں۔ ان کی تحریریں شائع نہ ہوں تو قارئین کے شکایتی خطوط آتے ہیں۔ لیکن ان ادیبوں کی بھی غیر معیاری تحریریں ناقابل اشاعت ہو جاتی ہیں۔ اور پھر آپ سوچئے کہ کیا کل پانچ ادیبوں سے کوئی رسالہ نکل سکتا ہے۔ ان کے علاوہ بے شمار لکھنے والوں کی تحریریں چھپتی ہیں اور چھپتی رہیں گی۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ جو محنت کرے گا اپنی جگہ خود بنائے گا۔ جو لکھنے والے محنت سے جی چرائیں گے ان کی تحریریں ردّی کی ٹوکری کی نذر ہوتی رہیں گی۔

سوال: ہاں آپ نے اچھا یاد دلایا۔ آپ کی ردّی کی ٹوکری کا کیا حال ہے؟ سنا ہے کافی پیٹو ہو گئی ہے!

جواب: بھئی جن بچوں کو اس کے پیٹو ہونے پر اعتراض ہے انہیں چاہئے کہ وہ خراب تحریریں نہ بھیجا کریں۔ اس کی خوراک خود بخود کم ہو جائے

شائع نہیں ہوتیں؟

جواب: ہاں بھئی ..... یہ شکایت کافی حد تک درست ہے۔ دراصل بات یہ ہے کہ جو تحریریں ہمارے معیار پر پوری نہیں اترتیں وہ ناقابلِ اشاعت ہوتی ہیں اور ہم انہیں نہیں چھاپتے۔

سوال: کسی کہانی کے قابلِ اشاعت ہونے کی شرائط کیا ہیں؟

جواب: یہ آپ نے بڑا کام کا سوال کیا ہے۔ میں اس پر ذرا تفصیل سے گفتگو کروں گا۔ کسی تحریر کے چھپنے کی پہلی شرط تو یہ ہے کہ تحریر صاف اور خوشخط ہو تاکہ اسے آسانی کے ساتھ پڑھا جاسکے۔ اگر لکھنے والے نے کوئی کہانی لکھی ہے تو کہانی کسی نئے موضوع پر ہونی چاہئے۔ کوشش کرنی چاہئے کہ اس میں کوئی سبق بھی موجود ہو۔ کہانی نقل شدہ نہیں ہونی چاہئے۔ اسی طرح اگر مضمون لکھا گیا ہے تو اس میں نئی معلومات ہونی چاہئیں۔ اکثر کہانیاں اور مضامین جو آتے ہیں ان میں کوئی نئی بات نہیں ہوتی۔ زبان و بیان کی غلطیاں بہت ہوتی ہیں۔ اندازِ تحریر غیر دلچسپ ہوتا ہے۔ دیکھئے میں عرض کر دوں کہ ہمیں کسی ساتھی سے کوئی ذاتی دشمنی نہیں ہے اور ہم کسی کی تحریر بلاوجہ چھپنے سے نہیں روکتے۔ ہمیں کیا ضرورت پڑی ہے کہ ہم خواہ مخواہ اپنے قاری کو ناراض کریں کیونکہ اس میں تو الٹا ہمارا ہی نقصان ہے۔ اچھی تحریریں خود بخود شائع ہو جاتی ہیں بلکہ اچھی تحریروں کی تو ہمیں سخت ضرورت رہتی ہے۔ اور کوئی اچھی تحریر آتی ہے تو ہمیں بے حد خوشی ہوتی ہے۔ اور ہاں ..... ایک بڑی اہم بات تو میں بھول ہی گیا۔ تحریر صفحے کے ایک جانب لکھی ہونی چاہئے۔ لکھنے والے کا نام اور مکمل پتا بھی ہونا چاہئے۔

سوال: یہ صفحے والی بات ذرا ٹیڑھی ہے۔ آپ اس کی وضاحت کریں گے؟

جواب: ہاں جی!! کیوں نہیں۔ دیکھیں اگر آپ ایک صاف کاغذ ہاتھ میں پکڑیں تو اس کے دو حصے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو آپ کی نظروں کے سامنے ہے اور ایک وہ جو آپ کو نظر نہیں آتا۔ یعنی پچھلا حصہ۔ صفحے کے ایک جانب لکھنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ اپنی نظروں کے سامنے والے حصے پر لکھیں اور اس کا پچھلا حصہ خالی چھوڑ دیں۔ اسی طرح اگر لکھنے والے کی لکھائی اچھی نہیں ہے تو اسے ایک سطر چھوڑ کر لکھنا چاہئے تاکہ اگر ایڈیٹر اصلاح کرنا چاہے تو اس کے لکھنے کے لئے بھی جگہ موجود رہے۔

سوال: چلیں یہ مسئلہ تو حل ہوا۔ بعض بچے جن کی تحریر یا خط شائع نہ ہو تو وہ آپ کو دھمکیاں بھی دیتے ہیں۔ آپ کا اس بارے میں کیا خیال ہے؟

جواب: جی بالکل ..... ہمیں مختلف قسم کی دھمکیاں یا جنہیں گیدڑ بھبھکیاں کہنا چاہئے، موصول ہوتی ہیں۔ یہ بہت بُری بات ہے۔ جن بچوں کی تحریریں شائع نہیں ہوتیں انہیں چاہئے کہ وہ مشتعل نہ ہو بلکہ لگن کے ساتھ مزید محنت کریں اور

کا؟

ملاقات

محمد فاروق منیر

پیارے ساتھیو!! آج ہم آپ کی ملاقات جس شخصیت سے کروا رہے ہیں، آپ کو ان سے اور انہیں آپ سے بہت سی شکایتیں ہیں۔ ہم نے سوچا کیوں نا ان سے ملاقات کی جائے تاکہ یہ شکایتیں دور ہو جائیں۔ ہم نے اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل بطروس غالی بننے کی کوشش کی ہے۔ امید ہے ہماری اس کوشش کو آپ سراہیں گے۔ معاف کیجئے گا ہم یہ تو بتانا ہی بھول گئے کہ وہ شخصیت کون سی ہے یہ شخصیت ہے آنکھ مچولی کے مدیر اعزازی کی۔ تو آیئے ان سے ملتے ہیں۔

ہم ..... السلام علیکم!! کہئے کیا حال ہے آپ

مدیر اعزازی ..... وعلیکم السلام!! اللہ کا شکر ہے بھئی۔

سوال: بچوں کو آپ سے کچھ شکایات ہیں۔ کیا خیال ہے؟ ان پر بات چیت ہو جائے۔

جواب: ضرور..... ضرور..... کیوں نہیں!! میں ہمہ تن گوش ہوں۔

سوال: کیا کہا آپ نے؟ ..... آپ خرگوش ہیں؟

جواب: نہیں بھئی ..... میرا مطلب ہے کہ مجھے آپ کے سوالوں کا انتظار ہے۔

سوال: اچھا..... اچھا معاف کیجئے گا مجھے سننے میں غلطی ہوئی۔ ہاں تو میرا پہلا سوال یہ ہے کہ اکثر بچوں کو آپ سے شکایت ہے کہ ان کی تحریریں

دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکرا دیئے۔

اسی وقت بارش ہونے لگی۔ یوں ان کی یہ بات چیت یہیں پر ختم ہوگئی۔

ان کا "فالتو کون؟" والا مسئلہ دو دن بعد حل ہو گیا جب دو جنگلی چوہے پکنک منانے وہاں آپہنچے۔ یہ مانی اور تانی تھے۔ اپنا پکنک والا سامان زمین پر رکھنے کے بعد دونوں چوہے باری باری ککرمتے اور سانپ کی چھتری کی طرف دیکھنے لگے۔

"کونسی شے ہمارے لئے ٹیبل کا کام دے گی؟" مانی بڑبڑانے کے سے انداز میں بولا۔

"سانپ کی چھتری یا ککرمُتا؟....."

"میرا خیال ہے، ککرمُتا.....!" تانی چند لمحے سوچنے کے بعد بولا۔

"وہ کیسے؟" مانی نے اس کی طرف دیکھا۔

"وہ یوں میرے بھائی!" تانی نے کہا۔ "اس کا سرچپٹا ہے ..... اور اس پہ چیزیں رکھی جاسکتی ہیں..... جبکہ سانپ کی چھتری کا سرابھرا ہوا اور گول ہے..... اس پہ چیزیں نہیں ٹک سکتیں، رکھیں گے تو گر جائیں گی....."

"ہاں یار!" مانی نے سرہلایا۔ "بات تو تمہاری ٹھیک ہے۔"

"اور دوسری بات یہ ہے کہ اگر ہم کسی طرح تمام چیزیں سانپ کی چھتری پہ رکھ بھی دیں تو وہاں سے اتاریں گے کیسے؟" تانی بولا۔ "کیونکہ ہمارے قد چھوٹے ہیں..... اس لئے ہمارے ہاتھ سانپ کی چھتری کے سر تک نہیں پہنچ پائیں گے ..... اور جب ہاتھ ہی نہ پہنچ سکے تو چیزیں کیسے پکڑیں گے"؟.....

"تو بالکل ٹھیک کہتا ہے یار!" مانی نے پُرخیال انداز میں سرہلاتے ہوئے اس کی تائید کی۔ "ککرمتا ہر لحاظ سے ہمارے لئے موزوں اور بہترین ہے۔"

"اچھا، اب ذرا ایک بات تو بتا!" تانی مسکرا کر بولا۔

"ہاں پوچھو!" تانی نے کہا۔

"ہم دونوں کو کون سا رنگ پسند ہے؟"

سفید .....!" وہ بولا۔ "بالکل دودھ کی طرح۔"

"دودھ کی طرح یا برف کی طرح؟" مانی ہنس کر بولا۔

پھر دونوں ہنسنے لگے۔ تانی نے کہا۔ "اور یہی رنگ ہے ککرمتے کا ..... اس لئے اب پکنک شروع!" دونوں نے مل کر نعرہ لگایا۔ اور اپنی چیزیں بیگ میں سے نکال کر ککرمتے کے اوپر رکھنے لگے۔ ککرمتا مسکرا رہا تھا۔ جبکہ سانپ کی چھتری بڑی شرمندگی محسوس ہو رہی تھیں۔ جب تانی اور مانی چلے گئے تو سانپ کی چھتری نے ککرمتے سے معافی مانگی۔ اور بولی۔

"اس دنیا کی کوئی بھی شے فالتو نہیں ہے۔"

جواب میں ککرمتا مسکرا دیا۔ اسے مسکراتا دیکھ کر سانپ کی چھتری بھی مسکرانے لگی۔

فخر سے بولی۔ "میں تم سے زیادہ خوبصورت ہوں ..... میرا رنگ تم سے زیادہ خوبصورت ہے .....

میرا چہرہ تم سے زیادہ خوبصورت ہے ..... میرا سر کتنا خوبصورت ہے! ..... گول گول، زرد پیارا پیارا ..... اور کتنا بڑا ہے! ..... تمہاری طرح نہیں، چھوٹا اور چپٹا سا ..... اور اس کا کوئی رنگ بھی تو نہیں ..... سفید سا ..... عام سا ....." اس کے لہجے میں حقارت تھی۔ "اور سب سے بڑھ کر میرا قد بھی تو تم سے کافی زیادہ ہے ..... تم تو میرے کندھوں تک بھی نہیں ہو ..... میں تم سے اونچی ہوں ..... بہت اونچی ہوں ..... جو کوئی بھی آئے گا، مجھے دیکھے گا ..... میرے پاس آئے گا ..... تمہاری طرف کوئی آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھے گا ..... کیونکہ میں ہر لحاظ سے تم سے بڑھ کر ہوں ..... تم سے خوبصورت ہوں ....."

"میں مانتا ہوں .....!" جواب میں کنگر متا بولا۔ "میرا رنگ سفید ہے ..... چلو خوبصورت نہ سہی، بدصورت بھی تو نہیں ..... میرا سر گول نہیں ہموار ہے ..... کیا ہوا؟ ..... آخر بنانے والے نے بھی کچھ سوچ کر ہی بنایا ہوگا ..... اس کی حکمت کا ہمیں کیا پتا؟ ..... اور میرا قد تم سے اگر چھوٹا ہے تو کیا ہوا؟ ..... آخر بنانے والے نے بھی کچھ سوچ کر ہی بنایا ہوگا .....

قد سے کوئی شے بڑی نہیں ہوتی ..... بڑی ہوتی ہے تو اپنے کام سے، اپنے عمل سے ہوتی ہے ..... اور اس کی اصل خوبصورتی تو اس کے اندر کے خیالات ہوتے ہیں ....." پھر وہ افسوس سے سر ہلاتے ہوئے بولا۔ "تمہارے خیالات سن کر مجھے بہت افسوس ہوا ہے ..... بہت دکھ ہوا ہے ....."

"صاف اور سچی بات کیوں نہیں کہتے؟" سانپ کی چھتری ہنسی "وہ کیا؟" کنگر متے نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"وہ یہ کہ ..... تمہیں اپنے خوبصورت نہ ہونے کا دکھ ہے ....." سانپ کی چھتری نے کہا۔ "میرے کار آمد ہونے کا دکھ ہے ..... اپنے فضول ہونے کا افسوس ہے ..... میرے مقابلے میں اپنے فالتو ہونے کا احساس ہوا ہے ....."

"تمہارا مطلب ہے ..... تم کار آمد ہو، اور میں فالتو ہوں؟" کنگر متے نے تائید طلب اور زخمی نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا۔ "ہاں، بالکل!" سانپ کی چھتری نے سر ہلایا۔

"نہیں، میں نہیں مان سکتا ....." وہ شدت سے نفی میں سر ہلا کر بولا "میں نہیں مان سکتا کہ اس دنیا کی کوئی شے فالتو ہے ..... اس کا کوئی استعمال نہیں ..... نہیں میری بہن! نہیں ..... ہر شے کا اس دنیا میں کوئی نہ کوئی مقصد ضرور ہے ....."

"سمجھ سمجھ کے بھی جو نہ سمجھے میری سمجھ میں وہ ناسمجھ ہے۔" سانپ کی چھتری نے خاصی لے سے گا کر کہا۔ جواب میں کنگر متا بھی اسی کی طرح گا کر بولا۔ "دل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے۔"

بڑا کون

نعیم مختار نومی

ایک دفعہ کا ذکر ہے، ایک سانپ کی چھتری تھی۔ زرد رنگ کی خوبصورت سی، پیاری سی۔

اس سے کچھ ہی فاصلے پر ایک کُکر مُتا تھا۔ سفید رنگ کا خوبصورت سا۔ مگر اس کا قد سانپ کی چھتری سے بہت چھوٹا تھا اور اس کا سر ہموار تھا۔ جبکہ سانپ کی چھتری کا سر اوپر کی طرف گولائی میں ابھرا ہوا تھا جیسے کسی نے آدھا لیموں اس کے سر پر رکھ دیا ہو۔

ایک دن سانپ کی چھتری نے ہنستے ہوئے کہا۔ "ذرا اپنی طرف دیکھو!"

"کیوں؟ کیا ہوا ہے مجھے؟" کُکر مُتا بولا۔

"ذرا اپنی طرف دیکھو تو سہی!" سانپ کی چھتری بدستور مسکرا رہی تھی۔

اس کے کہنے پر کُکر مُتے نے اپنی طرف دیکھا۔

"اب میری طرف دیکھو!" سانپ کی چھتری نے کہا۔ "ذرا غور سے۔"

کُکر مُتے نے سانپ کی چھتری کی جانب دیکھا۔

"اب بتاؤ......!" سانپ کی چھتری بولی۔ "تمہارا اور میرا کوئی مقابلہ ہے؟"

"میں سمجھا نہیں، تم کہنا کیا چاہتی ہو؟" کُکر مُتا پریشان سا ہو گیا۔

"کیا واقعی نہیں سمجھے؟" وہ ہنسی۔

"ہاں ہاں!" کُکر مُتا بولا۔ "مجھے واقعی سمجھ نہیں آیا۔ تم کیا کہہ رہی ہو؟"

"میں یہ کہنا چاہتی ہوں بھائی!" وہ مسکرا کر

بچے کا سوال

سائرہ کنول ثناء

ممی بہار کیا ہے؟
"گل پر نکھار" کیا ہے؟
کیا لفظ ہے یہ "موسم"؟
کہتے ہیں کس کو "رم جھم"؟
چڑیاں چہک رہی ہیں
کلیاں چٹک رہی ہیں
بھنورے کی گنگناہٹ
پتوں کی سرسراہٹ
دریاؤں کی روانی
چاندی سا اس میں پانی
خوش رنگ ہیں فضائیں
چلتی ہیں کیوں ہوائیں؟
باد صبا کی سر سر
کیوں گد گدائے آکر؟
میرے قریب آؤ
کیا راز ہے بتاؤ

تابانی، کراچی۔ تیمور قریشی، کراچی۔ سید شمیم احمد زیدی، کراچی۔ محمد سعد، کراچی۔ عائشہ چوہدری، رحیم یار خان۔ ضیاء الحق مظفر یاب، کراچی۔ سیدہ حنا نورین کاظمی، کراچی۔ محمد اجمل انصاری، کراچی۔ لبنیٰ سعدیہ، فرزانہ بانو، کراچی۔ ریاض احمد مری، کراچی۔ اوتار بچانی، حیدر آباد۔ احسان الٰہی، کالو کلاں۔ اسما تھانوی، کراچی۔ حافظ اشتیاق حکیم، فیاض حکیم، ثاقب حکیم حضروی، یاسر آفاق، خرم نذر وڑائچ، لاہور۔ کاشف نثار، ملتان۔ عرفان حیدر بخاری، صادق آباد۔ تابندہ ریاض، لاہور۔ ارم فاطمہ، سکھر۔ ذوالفقار علی عباس، نواب شاہ۔ وسیم شہزاد، علی پور چٹھہ۔ جہاں زیب رضا، حیدر آباد۔ بشریٰ ہاشم علی، شاہدہ ہاشم علی، بورے والا۔ صفدر، لاوہ۔ محمد اختر قریشی، نسیمہ اختر قریشی، محمد عظیم قریشی، ثنا اختر قریشی، محمد عمر قریشی، اسلام آباد۔ منصور احمد سومرو، کشمور۔ پرنس افضل شاہین، بہاول نگر۔ سجاد یونس، کراچی۔ راجا شاہد حسین سومرو، کشمور۔ محمد عاشق حسین نیازی، تلہ گنگ۔ صائمہ دلدار، جھمرہ سٹی۔ پرنس شہزاد رضا، فیصل آباد۔ عدیل رضا، تلہ گنگ۔ فرحانہ اسمٰعیل، رضوانہ اسمٰعیل، طیبہ اسمٰعیل، محمد عمران اسمٰعیل، محمد عدنان اسمٰعیل، کراچی۔ شاہ نواز، محمد ابراہیم، بدین۔ صائمہ بشیر بہاولپور۔ رب نواز کھٹی، بدین۔ نوید احمد، کراچی۔ ماریہ روپ چند ریپال، حیدر آباد۔ چوہدری ندیم سکندر طور، لاہور۔ فخر الدین ظفر، کنری پاک۔ عدنان سلیم سندھیلہ، شیخوپورہ۔ منوج کمار بچانی، حیدر آباد۔ افضال احمد خان، کراچی۔ عدیل احمد، کراچی۔ گلستان احمد دکاندار، پشاور۔ محمد منیر صدیقی، کراچی۔ محمد نبیل احمد، کراچی۔ شہلا صدیقی، ٹنڈو آدم۔ سعدیہ صدیقی، کراچی۔ محمد عبداللہ، بہاولپور۔ رضوان احمد، لاہور۔ در شہوار، لاہور۔ فیصل یوسف، اسلام آباد۔ طارق علی یوسفی، حیدر آباد۔ محمد طیب طاہر، ثوبیہ طاہر، پنڈی گھیب۔ مولا بخش بلوچ، کراچی۔ حافظ عبدالرؤف، بہاول نگر۔ مصباح پروین، بہاول نگر۔ محمد ذیشان آغا، پاک پتن۔ ملک حق نواز، کراچی۔ محمد علی ملک، تلہ گنگ۔ عثمان احمد شیخ، عرفان احمد شیخ، سلمان احمد شیخ، اسلام آباد۔ محمد کاشف خان، کراچی۔ موہنی نظام الدین قائم خانی، حیدر آباد۔ حافظہ بالہ قادری، ملتان۔ میاں محمد کاشف سعید، کراچی۔ خیام افتخار، راولپنڈی۔ عثمان انظار عثمانی، لاہور۔ سائرہ صدف، عبدالباسط، رحیم یار خان۔ میاں ثقلین ، میانوالی۔ عمران بشیر، کراچی۔ امرین رفیق، نورین رفیق، عینی رفیق، رابیل رفیق، محمد فیصل رفیق، فرح رفیق (؟) نعمان احمد خان، کراچی۔ ابن حسین، اسلام آباد۔ حسن انظار عثمانی، لاہور۔ جاوید اقبال، میانوالی۔ ارسلان احمد پراچہ، جہلم۔ سید عرفان حسین شاہ، فیصل آباد۔ بھیشم لال لُنڈ، میر پور ماتھیلو۔ انیلا عنائت، طاہرہ ہلال عنائت، پشاور۔ محمد نعیم خان زئی، نواب شاہ۔ آفتاب باچکانی، کندھ کوٹ۔ صابر جبار، کراچی۔ عاطف ندیم خان، چیچہ وطنی۔

گھنٹے پینتالیس منٹ۔ اس طرح لیلا نے دوپہر کا کھانا دراصل ایک بج کر پینتالیس منٹ پر کھایا۔

۴۔ تجمل کو لکڑی کے ٹکڑے کو چار حصوں میں تقسیم کرنے کے لئے تین بار کاٹنا پڑے گا اس لئے وہ صرف چھ روپے مزدوری ادا کرے گا۔

اس مرتبہ کے سوالات شاید ساتھیوں کو مشکل محسوس ہوئے۔ جوابات تو بہت موصول ہوئے تھے مگر کوئی ایک بھی ساتھی سارے جواب درست نہیں بتا سکا۔ قارئین کے لئے ہمارا مشورہ یہ ہے کہ وہ سوالوں کو دھیان سے پڑھا کریں اور خوب سوچ سمجھ کر جواب دیا کریں۔ ہمیں معلوم ہے کہ ہمارے پڑھنے والے بہت ذہین ہیں مگر جلد بازی میں کوئی ایک آدھ سوال غلط لکھ دیتے ہیں۔ لہٰذا اس ماہ کے سوالات کو غور سے پڑھئے اور بہت احتیاط اور توجہ سے ان کے جوابات ہمیں ارسال کیجئے۔

(ادارہ)

ایک غلطی کرنے والے ساتھی

ریاض اسرار بیگ، کراچی۔ اسد فاروق، محمد رضوان رفیق، کامرہ۔ ایاز محمود، محمد ظفر اللہ ضیا، علی رضا، فیصل عمران ڈوگر، محمد شبیر صدیقی، عمر فاروق قیصر، ساجدہ پروین، کمالیہ۔ شاہد رضا میمن، سائرہ مصطفیٰ میمن، نواب شاہ۔ عمار وحید سلیمانی، لاہور۔ محمد یوسف شیخ، میرپور خاص۔ سید راحت حسین نقوی، کراچی۔ ابتسام ساجد، کمالیہ۔ علی نثار علوی، اسلام آباد۔ عبدالسلام شیخ، میرپور خاص۔ انشیٰ حسنات، ساجد کمالوی، کمالیہ۔ راجہ عمر جاوید، سرائے عالمگیر۔ محمد سلمان رضا، ٹنڈو آدم۔ شبنم ناہید، جھنگ صدر۔ محمد جاوید، جھنگ صدر۔ یاسر بن نثار، راولپنڈی۔ سارہ عارف، کراچی۔ میاں فیاض، کندیاں۔

ایک سے زیادہ غلط جواب دینے والے ساتھی

سید شجاع الحسنین، کراچی۔ محمد کاشف شیخ، کراچی۔ ساجد اقبال، لاہور۔ محمد راحیل بن یحییٰ، حیدر آباد۔ حافظ محمد فیصل عزیز، کراچی۔ افشاں بشیر، کراچی۔ عمیر خان، کراچی۔ سید سفیان تباہی، اسلام آباد۔ ممتاز الدین احمد، محمد باسط، اعجاز الدین احمد، کراچی۔ شاہد پرویز رانا، خوشاب۔ احمر فرقان، ملتان۔ جاوید اصغر، رحیم یار خان۔ محمد عدنان تابانی، کراچی۔ انصار شہزاد، رحیم یار خان۔ چوہدری محمد ندیم ریاض، لاہور۔ اسما مجید، سرگودھا۔ اشعر فواد، ملتان۔ فرحین بدر (؟) محمد اظفر تنویر، ملتان۔ محمد زبیر

۳ ــ کالج کے کھیلوں کے سالانہ مقابلوں میں، تاش کی چار ٹیموں نے حصہ لیا۔ ہر ٹیم میں دو دو کھلاڑی تھے۔ پہلی گیم میں جو چار کھلاڑی کھیلے ان کے نام تھے، پیٹرک، ایلان، تھامس اور ٹم۔ دوسری گیم میں برین، تھامس، ایلان اور ڈینی کھیلے۔ تیسری گیم پیٹرک، ڈینی، رابرٹ اور جان کے درمیان ہوئی۔ اگر ہر گیم میں ہر ٹیم کا ایک کھلاڑی کھیلا تو بتایئے کہ ہر ٹیم میں کون کون سے دو کھلاڑی شامل تھے۔

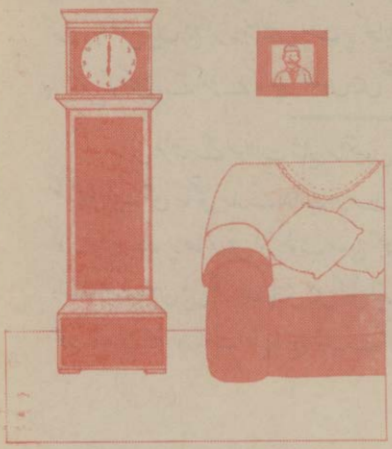

۴ ــ عجب خان کی دیواری گھڑی میں عجب خرابی ہے۔ وہ دن میں دو منٹ آگے ہو جاتی ہے اور رات میں ایک منٹ پیچھے۔ اگر ایک دن صبح کے چھ بجے اس کا وقت درست کر دیا جائے تو بتایئے کہ وہ کتنے عرصے میں بیس منٹ آگے چلی جائے گی؟

گذشتہ ماہ کے سوالوں کے درست جوابات:۔

۱ ــ ایاز جب گھر سے چلا تو اس کے پاس ۱۱.۰۲ روپے تھے۔ خریداری کے بعد اس کے پاس ۲.۱۱ روپے بچے۔

۲ ــ ٹونی کو کم سے کم تین اور زیادہ سے زیادہ آٹھ چوک کراس کرنے پڑیں گے۔

۳ ــ لیلا کی گھڑی ایک گھنٹے میں ۱۲ منٹ پیچھے جاتی ہے۔ یعنی پانچ منٹ میں ایک منٹ۔ اس طرح جب گھڑی چار منٹ کے گزرنے کا اعلان کرتی ہے، اس وقت دراصل پانچ منٹ گزر چکے ہوتے ہیں۔ اس رفتار سے گھڑی نے دس بجے سے ایک بجے تک ۱۸۰ منٹ کا سفر طے کیا۔ یعنی تین گھنٹے۔ جبکہ اصل وقت جو گزرا وہ بنتا ہے ۲۲۵ منٹ یا تین

انعامی مقابلہ

امتحان ہے آپ کی ذہانت کا

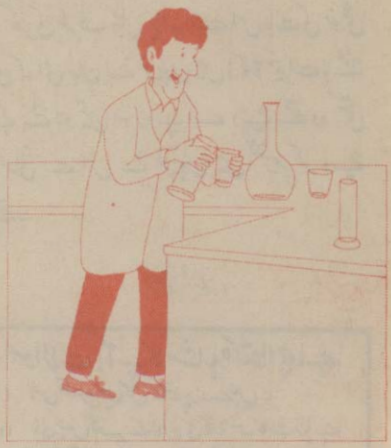

۱ــ تصویر میں شیشے کا ایک سیلنڈر نما جار پانی سے بھرا ہوا دکھایا گیا ہے۔ آپ کو اس میں سے آدھا پانی دوسرے گلاس میں انڈیلنا ہے۔ آپ کے پاس کوئی نشان زدہ پیمانہ بھی نہیں کہ پانی کے آدھا ہونے کا صحیح اندازہ ہو سکے۔ بتایئے تو بھلا آپ یہ مشکل کام کس طرح کریں گے؟

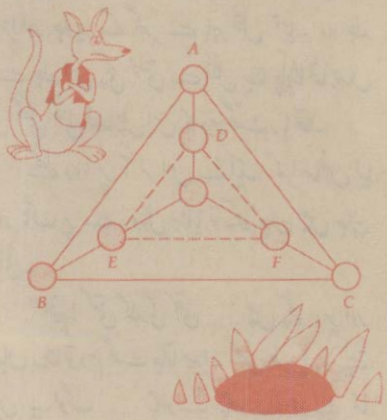

۲ــ دی گئی تصویر میں ہر دائرے میں ایک سے سات تک ہندسے اس طرح لکھیئے کہ مثلث اے بی سی اور مثلث ڈی ای ایف، ہر ایک کے ہندسوں کا مجموعہ بارہ کے برابر ہو۔ اسی طرح تینوں لائنوں میں سے ہر لائن میں موجود تینوں دائروں کے ہندسوں کا مجموعہ بھی بارہ کے برابر ہو۔ یاد رہے ایک ہندسہ بس ایک ہی بار لکھا جائے گا۔

کھڑا تھا۔ اس کی آنکھوں میں تشکر کے آنسو تھے۔ "اچھا میں چلتا ہوں۔" عاصم واپس جانے کے لئے مڑا تو جاوید کی امی نے کہا "بیٹا! تم بہت اچھے معلوم ہوتے ہو چائے پی کر جانا۔"

جاوید کی امی کی بات سُن کر عاصم کی نگاہیں چھوٹے سے باورچی خانے کی طرف گئی جہاں ایک کالی سی کیتلی چولہے پر رکھی تھی اور چند ادھ ٹوٹے کپ رکھے ہوئے تھے۔ "نن ..... نن ..... نہیں نہیں میں چائے نہیں پیئوں گا، بھوک مر جائے گی۔ اچھا خدا حافظ۔" عاصم اتنا کہہ کر تیزی سے مڑا اور جاوید کے گھر سے باہر نکل آیا۔ وہ جلد سے جلد اس کچی بستی سے نکل جانا چاہتا تھا جہاں کی گھٹی گھٹی فضا میں اس کا دم گھٹ رہا تھا۔

کھلے روڈ پر آکر اس نے ایک گہرا سانس لیا اور ناک پر سے رومال ہٹایا تو کچھ جان میں جان آئی۔

"افوہ! کتنی گندگی تھی ..... میں کچھ دیر اور وہاں رہتا تو دم گھٹ جاتا میرا۔ کس طرح رہ لیتے ہیں یہ لوگ ..... چھوٹے چھوٹے ڈربے نما گھروں میں..... گندی نالیوں کے درمیان۔" یہ سوچ کر ایک دم سے اسے اُبکائی سی آگئی۔

سامنے ہی کولڈ ڈرنکس کی ایک دکان تھی۔ پیاس محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے کولڈ ڈرنک کا آرڈر دیا۔ دکان دار نے ٹھنڈی بوتل اس کے ہاتھ میں تھما دی۔ اتنے میں پھٹے پُرانے کپڑوں میں ملبوس ایک فقیر ہاتھ پھیلائے اس کے سامنے آکھڑا ہوا۔ اسے دیکھ کر اچانک ہی عاصم کو کچھ یاد آگیا۔ اس نے جھٹ پتلون کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور جیب سے پچیس روپے نکال کر فقیر کے ہاتھ پر رکھ دیئے۔ فقیر دعائیں دیتا ہوا چلا گیا۔

"غریبوں کے بڑے ہمدرد معلوم ہوتے ہو۔" دکان دار نے ستائشی نظروں سے عاصم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہمدرد!" عاصم نے منہ بناتے ہوئے سوچا۔ پھر بوتل پینے کے بعد دکان دار کو پیسے ادا کر کے وہ گھر کی طرف چل پڑا۔ اسے اس بات کی خوشی تھی کہ امی جان نے غریبوں میں زکوٰۃ خیرات بانٹنے کے لئے جو تین سو روپے اسے دیئے تھے وہ کتنی آسانی سے اس نے غریبوں میں تقسیم کر دیئے تھے۔

سوالات! آپ کا مشاہدہ کتنا اچھا ہے

(۱) اس تصویر میں کُل کتنے پرندے ہیں؟
(۲) مالی جس گھر کے لان کی گھاس کاٹ رہا ہے اس کے گیراج کے سامنے کیا لٹکا ہوا ہے؟
(۳) اونچی عمارات کتنی ہیں؟
(۴) چوراہے کی نکڑ پر ڈاکیئے سے کس کی ملاقات ہوگی؟
(۵) دو لڑکیاں کس گاڑی کی طرف بھاگ رہی ہیں؟
(۶) کیا کوئی مرد یا عورت کسی درخت کے نیچے سو رہا ہے؟
(۷) نیلے رنگ کے مکان کا دروازہ کھلا ہے یا بند ہے؟
(۸) لال کار کس طرف جا رہی ہے؟
(۹) جہاز کے کتنے پنکھے ہیں؟
(۱۰) اسکیٹنگ کرنے والے لڑکے نے کیا پہنا ہوا ہے؟

کو ضرور معلوم ہوتا تھا کہ اس کا دوست اسکول کیوں نہیں آیا...... ایک تم لوگ ہو کہ یہی نہیں معلوم کہ تمہارا ہم جماعت جاوید جو پڑھنے لکھنے میں لائق ہے، سب سے اچھا ہے وہ اسکول کیوں نہیں آ رہا؟"

حشمت صاحب تو یہ کہہ کر کلاس سے باہر چلے گئے اور جماعت کے لڑکے کچھ دیر شرمندہ ہوئے پھر یہ بات بھول گئے اور آپس میں باتوں میں مشغول ہو گئے۔ صرف ایک لڑکا سر جھکائے اپنی ڈیسک پر خاموش بیٹھا رہا۔ اس کے ہاتھ کی دائیں مٹّھی بڑی مضبوطی سے بند تھی اور اس مٹھی میں دو سو پچھتّر روپے کی رقم پسینے میں بھیگ چکی تھی۔ یہ عاصم تھا، جاوید کا نیا دوست، جو کچھ دن پہلے کلاس میں داخل ہوا تھا۔ جاوید چوں کہ اس کی سیٹ پر ساتھ ہی بیٹھتا تھا اس لئے دوستی ہونا لازمی تھا حالاں کہ وہ کھاتے پیتے گھرانے کا لڑکا تھا اور اس کی دوستی بھی کم لڑکوں سے تھی۔

جاوید کی طرف اس کے متوجہ ہونے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ جاوید کے گھر کی مالی حالت اچھی نہ تھی۔ اس کے ابو مزدوری کرتے تھے۔ انہیں کبھی کام ملتا تھا کبھی نہیں۔ وہ بڑی مشکلوں سے جاوید کو پڑھا رہے تھے۔ ورنہ ان کا خیال تھا کہ جاوید کو مزدوری میں ان کا ہاتھ بٹانا چاہئے۔ کیوں کہ اب وہ اس کی مزید مہنگی مہنگی فیسیں ادا نہیں کر سکتے تھے۔ عاصم کو یہ ساری باتیں جاوید نے بتائیں تھیں کہ وہ اپنے گھر کی مالی حالت کی کمزوری کی وجہ سے بڑی مشکل سے پڑھ رہا ہے۔

آج عاصم جاوید کی امتحانی فیس کے لئے دو سو پچھتّر روپے کی رقم لایا تھا لیکن جاوید نہیں آیا تھا اور عاصم کلاس میں سب لڑکوں کے سامنے اس کی امتحانی فیس کے پیسے سر کو نہیں دینا چاہتا تھا۔

"چھٹی ہوگی تو میں جاوید کے گھر جاؤں گا اور دو سو پچھتّر روپے اسے دوں گا تاکہ وہ اپنی پڑھائی جاری رکھ سکے لیکن...... اس کا گھر...... غریب بستی میں ہے...... وہاں کتنی گندگی ہے۔ چھوٹے چھوٹے مکان، تنگ گلیاں ہر گلی میں گندے پانی کی نالیاں اور گلیوں میں کھیلتے ہوئے کالے کلوٹے ننگ دھڑنگ گندے بچے......"!! عاصم کو یہ سوچ کر گھن سی آ گئی کیوں کہ وہ بڑا صفائی پسند تھا۔ بہر حال چھٹی ہوئی تو وہ کچی آبادی کی تنگ و تاریک گلیوں میں سے گزر کر کالے کلوٹے گندے بچوں سے بچتا بچاتا ناک پر رومال رکھے جاوید کے گھر پہنچ گیا۔ اس نے دروازہ کھٹکھٹایا تو جاوید نے دروازہ کھولا۔ رسمی علیک سلیک کے بعد جاوید اسے گھر کے اندر لے گیا۔ جاوید کے ابو بھی گھر پر تھے شاید ان کی طبیعت خراب تھی۔

کچھ دیر کی بات چیت کے بعد اس نے دو سو پچھتّر روپے کی رقم جاوید کے ہاتھ پر رکھ دی اور کہا "کل اسکول آ جانا امتحانی فیس جمع کرانے کی کل آخری تاریخ ہے ایسا نہ ہو کہ تمہارا ایک قیمتی سال ضائع ہو جائے۔"

جاوید پیسے ہاتھ میں لئے اس کے سامنے گُم صُم •

ہمدرد

فاروق حسن چانڈیو

"جاوید..... جاوید..... جاوید.....!!" جاوید آج بھی اسکول نہیں آیا تھا اور حشمت صاحب حاضری لیتے ہوئے جھنجھلا اٹھے تھے۔ نویں جماعت کی فیس جمع کرانے میں ایک دن باقی رہ گیا تھا اور حشمت صاحب کا جھنجھلانا ایک قطعی امر تھا۔

"تم میں سے کسی کو معلوم ہے جاوید کیوں اسکول نہیں آ رہا ہے؟" حشمت صاحب نے کلاس میں نظریں دوڑاتے ہوئے پوچھا اور لڑکوں کو خاموش دیکھ کر ہاتھ ہلاتے ہوئے غصّے سے بولے۔

"ارے! تمہیں معلوم بھی کیا ہوگا؟ تم لڑکوں میں آپس میں محبت اور ہمدردی ہی نہیں باقی رہی۔ ایک ہمارا زمانہ تھا کہ اسکول میں پڑھتے تھے، آپس میں اتنی دوستی اور محبت تھی کہ اگر کوئی لڑکا ایک دن اسکول نہیں آتا تھا تو دوسرے لڑکے

آپ کو تتلی کا انتظار تھا!

ننھے بچو! تتلی کے حسین رنگوں کو
سمیٹ کر "تتلی" شائع ہو گیا۔ اس
خوبصورت کتابی سلسلے میں آپ کیلئے

- مزیدار کہانیاں
- دلکش نظمیں
- بُھول بھلیاں
- چٹ پٹے لطیفے
- چُلبلے کارٹون
- معلوماتی انٹرویو
- رنگا رنگ تصویریں

تتلی کے تین خوب صورت شمارے

پیارا پاکستان ببلو گبلو جنگل میں منگل

پاکستان کے تمام بڑے بک اسٹالوں پر دستیاب ہے

برائن بنی ہے ڈائن

آپ نے ٹی وی کے پروگرام اسٹار ٹریک دی نیکسٹ جنریشن میں مختلف ڈراؤنی شکلوں کی مخلوق دیکھی ہوگی۔ یہ کسی دوسرے سیارے سے تشریف نہیں لاتی بلکہ میک اپ کے ماہر مائیکل ویسٹ مور کے فن کا کمال ہوتی ہے۔ ویسٹ مور پچھلے پچیس سال سے اس شعبے سے متعلق ہے اور فلم و ٹی وی کے کئی مشہور پروگراموں میں بحیثیت میک اپ ڈائریکٹر خدمات انجام دے چکا ہے۔ چہرہ سازی کے اس مشکل فن میں ویسٹ مور کی ذہانت اور ہنرمندی کے علاوہ پگھلا ہوا پلاسٹک نما مسالہ، اپ اسٹک اور آئی شیڈو کی بھاری مقدار بھی اس کی مددگار ہوتی ہے۔ اس صفحے پر آپ ایک گیارہ سالہ بچی برائن بونسیل کو میک اپ کے مختلف مراحل سے گزرتے

مزید محنت کی ضرورت ہے

"نیکی کا صلہ" حرا ثانی، کراچی۔ "کرکٹ" محمد حسن، لاہور۔ "نعت شریف" فیاض عادل فاروقی، جھنگ۔ "خبریں سارے جہاں کی" عاطف محبوب، لاہور۔ "اگر میں ہمت نہ کرتا" فاروق احمد پاشا، جامپور۔ "مجھے وطن سے محبت ہے" سعدیہ جہانگیر، ایبٹ آباد۔ "احساس کا پھل" محمد کاشف بشیر ساہیوال۔ "وقت کا پہیہ" شیراز عالم ملک، بہاول نگر۔ "جنوں کی حویلی" نازیہ تبسم خان، سکھر (سندھ) "مجاہد کی تلوار" محمد آصف نذیر، ریاض۔ "سب سے چھوٹا پرندہ" غلام شبیر وسیم، مخدوم پور۔ "ہم کس طرح سنتے ہیں" جاوید سلیم سوہل، گوجرانوالہ۔ "نیکی اور بدی" م۔ گ، ملتان۔ "پیسا کا مینار" محمد عبد اللہ خرم، سیالکوٹ۔ "بارہ ربیع الاول" اسجد اقبال، گجرات۔ "آنکھوں کی ورزشیں" ملک طارق محمود اعوان، گولارچی۔ "اخباری تراشہ" ع ش، شہداد کوٹ۔ "نا فرمانی" شاہنواز گل، ارمڑ پایان۔ "پیارا وطن" محمد علی، ٹنڈو آدم۔ "یار و یہی تو دوستی ہے" علی رضا منفرد، کراچی۔ "چاند" (نظم) شہناز فاطمہ (؟) "معلومات" صوفیہ رحمان" تخت بھائی۔ "انتقام" امجد شریف، گوجرانوالہ۔ "بولو کیا چاہتے ہو" خالد عزیز رند، تربت۔ "اوٹ پٹانگ" صوفیہ رحمان، تخت بھائی۔ "سچی دوستی" اکمل شاعر، مکران۔ "ہم نے وطن کو کیا دیا" شہلا صدیقی، ٹنڈو آدم۔ "نظریہ پاکستان" سید عدیل حیدر شاہ، خوشاب۔ "جنت اور اہل جنت" ملک عبد الروف، سرگودھا۔ "سرخ نوٹ" نعمان شاہد، کراچی۔ "ابراہیم کا ہو ایماں پیدا" ناہید غنی، گوجرانوالہ۔ "شرارت کی سزا" صائمہ اکرم (؟) "پروفیسر ہنری کوری" شاہین نور، کراچی۔ "اور وہ سفر کرتا رہا" بشریٰ معین، ملتان۔ "بہترین دوست" "سلوک" ذیشان رفیق، جھنگ۔ "نیکی کا صلہ" ملک طارق محمود، گولارچی۔ "محنت کا صلہ" محمد ارمغان جعفر، حیدر آباد۔ "پر اسرار سایہ" محمد اسحاق وردگ، پشاور۔ "بہادر لڑکا" خدیجۃ العظمیٰ، کراچی۔ "سزا" رضوان احمد خان، بھکر۔ "فرعون کا خزانہ" احسان الٰہی میمن، ٹنڈو آدم۔ "پہلا قدم" مجاہد حسین، کراچی۔ "صلہ" عمران عزیز اعوان، مظفر آباد۔ "بات ذرا سی" (؟) "دہشت گرد کون"، مجاہد کراچی۔ "عظیم نعمت" طاہرہ تحریم، مٹھیال۔ "بہادر لڑکا اور جن" (؟) "دعوت" شہنیلہ شہزادی، لاہور۔ "وہ رات" غلام مرتضیٰ، ٹوبہ ٹیک سنگھ۔ "جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے" مولا بخش واحد، مکران۔ "چالاک عورت" محمد شہزاد، کراچی۔ "نالائق بھائی" موہنی نظام قائم خانی، حیدر آباد۔ "چھوٹی سی بھول" طاہر زماں، مردان "زیبرا کراسنگ" قاسم بن نظر، کراچی۔ "اپنے مقدر کا" محمد ضیاء الحق راٹھور، میرپور خاص (سندھ) "کلمہ طیبہ کی اہمیت" محمد ضیاء الحق راٹھور، میرپور خاص۔ "عظیم مجاہد" نثار الحق اسدی، وحدت کالونی (لاہور) "کوا اور لومڑی" سید زاہد حسین، لاڑکانہ۔ "پیارا پاکستان" (نظم) آفتاب احمد، دنو ماکو۔ "بہادری" صبغت اللہ، لاہور کینٹ۔ "بونا اور کتاب" در شہوار جلچوی، کراچی۔ "بیٹا اللہ کی نعمت" منظم اقبال، گجرات۔ "معلومات اقبال" اسد اللہ خان، اٹک۔ "محنت کی برکت" یاسمین انور بٹ، گجرات۔ "لائق بچہ" محمد شاکر حسین، ٹنڈو الہ یار۔ "تکبر" جان محمد، ٹنڈو محمد خان۔ "آتش فشاں پہاڑ" "عیسیٰ طاہر سنجرانی، دالبندین۔ "غریب طالب علم" محمد سلیم، چکوال۔ "پیمان وفا" (نظم) محمد تنویر چوہدری، اٹک۔ "حضرت خواجہ حسن بصری" "سات دن" نواز بیگ، کراچی۔ "ماں کی عظمت" آفتاب احمد، میرپور ماتھیلو۔ "قیمتی ہیرا" عامر احمد چھیپہ، حیدر آباد۔ "راجہ اور فقیر" محمد فراز، کراچی۔ "ہم اور مارشل آرٹ" محمد اویس خان، اٹک۔

ہے؟"

"چھڑی؟ کیسی چھڑی؟ میرے پاس کوئی چھڑی نہیں۔" امپائر نے حیرت سے کہا۔

"کمال ہے؟" باؤلر غرایا "میں نے آج تک کسی نابینا کو بغیر چھڑی کے نہیں دیکھا۔"

مرسلہ...... احمر فرقان، ملتان۔

○

امی: "بیٹے کاشف؟ میں تمہیں ایک کام کے لئے بازار بھیجنا چاہتی ہوں"۔

کاشف: "میں بہت تھکا ہوا ہوں نہیں جا سکتا۔"

امی: "بیٹے تمہیں مٹھائی کی دکان تک جانا ہوگا۔"

کاشف: (خوش ہو کر) "مٹھائی کی دکان تک...... وہ تو زیادہ دور نہیں ہے۔"

امی: ہاں! مٹھائی کی دکان کے پاس ہی جھاڑو والا بیٹھا ہے اس سے ایک جھاڑو لے آنا۔"

مرسلہ...... احمر فرقان، ملتان۔

○

ٹیچر (کلاس سے مخاطب ہوتے ہوئے) "کلاس میں اتنی خاموشی ہونی چاہیے کہ اگر سوئی بھی گرے تو اُس کی آواز سُنائی دے جائے۔"

طلبہ۔ (بہت دیر خاموش رہنے کے بعد) "سر! اب تو سوئی گرا دیجیے!"

○

ایک عورت (بھکاری کو باسی روٹیاں دینے کے بعد) "روٹیاں تو دے دی ہیں۔ اب کیوں کھڑا ہے؟"

بھکاری: "ہاضمے کی گولیاں بھی دے دیں"

شمائل ریحان۔ نارتھ ناظم آباد

○

ایک شاعر نے اپنے چند اشعار شائع کرانے کے لیے کسی اخبار کے ایڈیٹر کے پاس بھیجے۔ بہت دنوں تک انھوں نے انتظار کیا، لیکن ان کے بھیجے ہوئے اشعار شائع نہ ہوئے۔ ایک دن وہ اخبار کے دفتر پہنچے۔ اور ایڈیٹر سے شکایت کی۔ انہوں نے ایڈیٹر سے کہا۔ "کیا میرے اشعار آپ کے معیار پر پورے نہیں اُترے....؟"

"نہیں جناب یہ بات نہیں۔ بھلا غالب اور میر کے اشعار بھی غیر معیاری ہو سکتے ہیں؟" ایڈیٹر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

سہیل لالانی۔ سکھر

○

ڈاکٹر کے پاس جانا چاہیے۔" بچے نے جواب دیا

مرسلہ..... محمد ریحان، اسلام آباد۔

○

ایک انگریز خاتون نے دوسری خاتون سے کہا "بہن کل بازار میں تمہارے شوہر سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے مجھے ٹوپی اتار کر سلام نہیں کیا۔ کیا ان میں اخلاق کی کمی ہے؟"

"اخلاق کی کمی نہیں، بالوں کی کمی ہے۔" دوسری خاتون نے مسکرا کر جواب دیا۔

مرسلہ..... محمد ظہیر الدین بابر، شیش باغ خورد۔

○

ایک صاحب نابینا تھے۔ انہوں نے ایک لڑکا معاون کے طور پر رکھا ہوا تھا جو محفلوں میں ان کے ساتھ جاتا، کھانے کی دعوتوں میں انہوں نے اپنا اشارہ کہنی مارنا رکھا تھا۔ کھانا شروع ہوتا تو لڑکا کہنی مار دیتا۔ وہ صاحب کھانا شروع کر دیتے۔

ایک محفل میں دسترخوان بچھا۔ اتفاق سے بیٹھتے وقت لڑکے کی کہنی لگ گئی۔ ان صاحب نے کھانا شروع کر دیا۔ لڑکے نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے ایک کہنی اور مار دی۔ وہ صاحب اور تیزی سے کھانے لگے۔ لڑکے نے لگاتار کہنی مارنا شروع کر دی۔ وہ صاحب بولے "اے! کیا لوٹ مچ رہی ہے۔"

مرسلہ..... صوفیہ تبسم، کراچی۔

○

پہلا دوست: "ہمارے یہاں بڑے بڑے لوگ آتے ہیں۔"

دوسرا دوست: (مسکرا کر) "وہ تو سائرن والی گاڑیوں پر آتے ہوں گے!" پہلا دوست: "نہیں! وہ تو ہمارے یہاں ٹی وی پر آتے ہیں۔"

مرسلہ..... شہزاد، کراچی۔

○

ایل بی ڈبلیو کی پانچویں اپیل بھی منظور نہ ہوئی تو باؤلر کو تاؤ آ گیا۔ وہ امپائر کی طرف پلٹا اور غصے سے بولا "جناب عالی آپ یہ بتائیں آپ کی چھڑی کہاں

ایک پل کی دیوار پر کسی سیاسی پارٹی کا اشتہار لگا تھا۔ کچھ دنوں بعد اسی جگہ کسی نے پولٹری فارم کا اشتہار لگا دیا جس سے پہلے اور دوسرے اشتہار کے الفاظ آپس میں گڈمڈ ہو گئے اور ترتیب کچھ یوں ہو گئی۔

"سیاسی رہنماؤں پر فرض ہے کہ جان ہتھیلی پر رکھ کر انڈوں کے لئے ہم سے رجوع فرمائیں"۔

فقط: غدارانِ لیڈر پاکستان پولٹری فارم

مرسلہ ..... وفا ذوالفقار مگسی، لاڑکانہ۔

○

ایک خاتون کمبل والے کی دکان پر گئیں اور کمبل دیکھنے لگیں لیکن کوئی بھی کمبل انہیں پسند نہیں آ رہا تھا۔ سیلز مین بھی بھاری بھاری کمبل دکھا دکھا کر پریشان ہو چکا تھا۔ خاتون کو اس بات کا احساس اس وقت ہوا جب صرف ایک کمبل دکھانے کو رہ گیا۔

"مجھے بہت افسوس ہے، اصل میں میں اس وقت کمبل خریدنے نہیں آئی۔ یہ سب اپنی ایک دوست کے لئے دیکھ رہی ہوں۔"

"دوست کے لئے!!" سیلز مین نے چڑ کر کہا۔

"محترمہ! پلیز یہ آخری کمبل بھی دیکھ لیجئے شاید آپ کی دوست اس میں لپٹی ہوئی ہوں۔"

مرسلہ ..... آفتاب احمد، ڈنو ماکو۔

○

کرایہ دار (مالک مکان سے) "جناب! چھت بنوا کر دیں یہ ٹوٹی ہوئی ہے۔"

مالک مکان: "یہ احساس آپ کو کب ہوا؟"

کرایہ دار: "کل رات سے۔ جب بارش ہو رہی تھی۔ میں چھت کے نیچے ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھ مطالعہ کر رہا تھا اور سوپ پی رہا تھا تو سوپ ختم ہونے میں پورے تین گھنٹے لگے۔"

مرسلہ ..... آفتاب احمد، میرپور ماتھیلو۔

○

ایک ڈاکٹر نے اسکول کے معائنے کے دوران ایک بچے سے پوچھا۔

"بیٹا! جنت میں جانے کے لئے کون سا کام سب سے ضروری ہے؟"

"ہمیں مر جانا چاہئے"۔ بچے نے کچھ دیر سوچ کر بتایا۔

"تمہاری بات کسی حد تک درست ہے لیکن ایک کام ایسا ہے جو ہمیں مرنے سے پہلے کرنا پڑتا ہے۔ شاباش ذرا ذہن پر زور دے کر بتاؤ؟"

"جناب! مرنے سے پہلے ہمیں بیمار بن کر

ایک خاتون ایک سڑک پر معمول کی اسپیڈ سے گاڑی چلا رہی تھی۔ انہوں نے محسوس کیا کہ وہ ٹھیک اسپیڈ سے گاڑی چلا رہی ہیں لیکن ان کے برابر سے گاڑیاں اس تیزی سے گزر رہی تھیں جیسے وہ کھڑی ہوئی ہوں۔ انہوں نے سائرن کی آواز سنی اور ایک پولیس افسر کو رکنے کا اشارہ کرتے پایا۔ آفیسر نے ان کا لائسنس دیکھا اور پوچھا کیا آپ کو معلوم ہے میں نے آپ کو کیوں روکا ہے"؟

خاتون نے غصے سے جواب دیا "اس لئے کہ آپ دوسروں کو نہیں پکڑ سکے۔"

سید اظفر علی رضوی، کراچی۔

○

جیل میں سروے کے لئے آنے والی صحافیوں کی ٹیم نے جیل کی کوٹھری میں بند ایک قیدی سے سوال کیا۔

"آپ کس جرم میں سزا کاٹ رہے ہیں؟"

"اپنے اکلوتے بیٹے سے محبّت کرنے کے جرم میں۔"

قیدی نے جواب دیا۔

صحافیوں کو بڑی حیرت ہوئی۔ ایک صحافی نے حیرت سے کہا۔

"لیکن بیٹے سے محبت کرنا کوئی جرم تو نہیں۔"

قیدی نے کہا۔ "دراصل میں جعلی نوٹ چھاپنے کا کام کیا کرتا تھا"۔

"لیکن اس سے بیٹے کی محبّت کا کیا تعلق؟"

"تعلق" قیدی نے ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے کہا۔ "بس جناب ایک دن محبّت سے مجبور ہو کر نوٹوں پر قائد اعظم کی جگہ بیٹے کی تصویر چھاپ دی تھی۔"

مرسلہ...... فازینہ ضمیر، عشرت ضمیر، کراچی۔

○

آنکھ مچولی البم

بلا تبصرہ

فاروق چونک کر سیدھا ہو گیا "ابو میرے ذہن میں تو کبھی یہ خیال ہی پیدا نہیں ہوا۔" فاروق نے جلدی سے کہا۔

"بیٹے خیال رکھنا چاہئے ..... دنیا میں دوستی سے بڑھ کر کوئی رشتہ نہیں ہے۔ اور تم اسی کو فراموش کر رہے ہو۔" ابو نے اسٹیئرنگ گھما کر گاڑی کو پارک کیا۔ فاروق اپنا بیگ سنبھالتے ہوئے نیچے اتر آیا۔ فاروق سوچ میں گم تھا۔ افتخار سامنے گیٹ پر کھڑا اس کا منتظر تھا۔ لیکن آج فاروق کو اس سے نظریں ملانے میں ندامت محسوس ہو رہی تھی۔

"آج پھر تم نے دیر لگا دی۔" افتخار حسبِ عادت بولا۔ پھر وہ اپنی کلاس کی طرف روانہ ہو گئے۔ افتخار نے جلد ہی محسوس کر لیا کہ فاروق کسی سوچ میں گم ہے۔ لیکن اس نے فاروق سے اس بارے میں بات کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

چھٹی کی گھنٹی بجی تو سب لڑکے اپنے اسکول بیگ سنبھالتے ہوئے بیرونی گیٹ کی طرف لپکے۔ فاروق افتخار کا ہاتھ پکڑے اسکول سے باہر نکلا تو فاروق کے ابو کی گاڑی سامنے موجود تھی۔ ابو ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے اس کا انتظار کر رہے تھے۔

"فاروق تمہاری گاڑی آگئی۔ اب تم جاؤ۔" افتخار نے کہا۔

"ہم اکٹھے گھر جائیں گے۔" فاروق نے جھکا ہوا سر اٹھا کر ندامت سے کہا۔ اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کے قطرے چمک رہے تھے

"فاروق طبیعت تو ٹھیک ہے!!" افتخار پریشان ہو گیا۔

"افتخار مجھے معاف کر دو۔ تم میرے دوست ہو لیکن میں ہمیشہ اپنے دوست کی طرف سے لاپروا رہا ....." فاروق کہتا چلا گیا۔

"نہیں ..... نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" افتخار اس سے زیادہ کچھ نہ کہہ سکا۔

"اچھا چلو ہم اکٹھے گھر جائیں گے۔ اور صبح اکٹھے اسکول آیا کریں گے۔" فاروق نے کہا۔

"لیکن دیر سے نہیں ..... جلدی ....." افتخار نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں اب ہم اسکول جلدی آیا کریں گے۔" پھر وہ دونوں مسکراتے ہوئے گاڑی کی طرف بڑھ گئے۔

معذرت

اکتوبر ۹۳ء کے شمارے میں صفحہ نمبر ۱۲۹ پر غلطی سے معلومات کے ایک فلر میں جاپان کی جگہ جرمنی چھپ گیا جو غلط ہے۔ صحیح جملہ یہ ہے ○ ..... دنیا میں سب سے پہلا ایٹم بم جاپان کے دو شہروں ہیروشیما اور ناگا ساکی پر گرایا گیا۔ ادارہ اس غلطی پر قارئین سے معذرت خواہ ہے۔

آگے بڑھتا چلا گیا۔ فاروق کو آج پھر اسکول سے دیر ہو گئی تھی۔ اس کے ابو ناشتے کی میز پر موجود تھے۔

"بیٹا جلدی کرو..... اسکول سے روزانہ کی دیر اچھی بات نہیں۔" فاروق کے ابو نرم لہجے میں کہہ رہے تھے اور فاروق تیزی سے ناشتہ کر رہا تھا۔

"آج سے تم رات نو بجے سو جایا کرو گے۔" ابو نے جیسے حکم سنایا۔ ناشتے سے فارغ ہو کر فاروق ابو کے ہمراہ گاڑی میں بیٹھا اور پھر گاڑی اسکول کی طرف روانہ ہو گئی۔

"بیٹے وہ تمہارا دوست افتخار یہیں رہتا ہے نا۔" ابو نے اچانک ہی کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"ہاں ابو لیکن آپ کو کیسے معلوم .....؟" فاروق نے سوالیہ لہجے میں کہا "بیٹے روزانہ جب میں تمہیں اسکول چھوڑتا ہوں تو وہ لڑکا گیٹ پر کھڑا تمہارا منتظر ہوتا ہے۔ اسکول سے واپسی پر بھی وہ تمہارے ہمراہ ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ تمہارا دوست ہے۔ اور پھر میں نے کئی بار اسے یہاں سڑک پر چلتے پھرتے دیکھا ہے۔ میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا....." ابو اس کی طرف دیکھنے لگے۔

"ہاں ابو..... وہ میرا دوست ہے۔" فاروق نے کہا

"بیٹے اگر وہ تمہارا دوست ہے تو اسکول سے واپسی پر اسے بھی گاڑی میں بٹھا لیا کرو۔" ابو نے باہر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا... اور ابو کی بات سن کر

نا قابل یقین

افریقہ میں ایک درخت پایا جاتا ہے۔ جسے بوباب (Baobab) کہتے ہیں۔ افریقہ کے لوگ کہتے ہیں کہ جب قدرت نے یہ درخت پیدا کیا تو شیطان نے اسے اکھاڑ کر الٹا کر دیا یعنی شاخیں نیچے جڑیں اوپر۔ یہ کہاوت بالکل سچ معلوم ہوتی ہے۔ بوباب دیکھنے میں ایسا لگتا ہے جیسے زمین میں الٹا گڑا ہوا ہے۔ دنیا میں پائے جانے والے تمام درختوں میں امریکا کا دیودار ((Seuoia) سب سے موٹا درخت ہے۔ بوباب کے تنے کی موٹائی امریکی دیودار سے کچھ ہی کم ہوتی ہے۔ ایک عام بوباب ۴۵ فٹ سے زیادہ اونچا نہیں ہوتا۔ لیکن اس کے تنے کا قطر (ڈایامیٹر) ۳۵ فٹ سے بھی زیادہ ہوتا ہے۔

اس درخت کا گودا اتنا نرم ہوتا ہے کہ بندوق کی گولی اس میں سے گزر جاتی ہے۔ جنگل میں رہنے والے افریقی اس کے تنے کو کھوکھلا کر لیتے ہیں، اور اس کے اندر ان کا پورا کنبہ آرام سے رہتا ہے۔ جنوبی افریقہ میں ایک سڑک کے کنارے، بس اسٹاپ کے پاس ایک بوباب درخت کھڑا ہے۔ اس کے تنے کو کھوکھلا کر کے اس کو شیلٹر (پناہ گاہ) بنا دیا گیا ہے۔ مسافر دھوپ اور بارش سے بچنے کے لئے اس کے اندر پناہ لیتے ہیں۔

مرسلہ:- ذیشان احمد، جوہر آباد۔

اٹھائے اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے۔ فاروق کے ابو اپنی گاڑی میں اس کے منتظر تھے۔ فاروق، افتخار سے ہاتھ ملا کر گاڑی میں بیٹھ گیا اور گاڑی روانہ ہو گئی۔ افتخار اس وقت تک گاڑی کو دیکھتا رہا جب تک کہ وہ نظروں سے اوجھل نہ ہو گئی۔ پھر وہ بھی بوجھل قدموں سے اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

فاروق اور افتخار ایک ہی محلے میں رہتے تھے۔ فاروق کے گھر سے دس گز دور افتخار کا ایک منزلہ مکان تھا، جس میں وہ اپنی امی کے ساتھ رہتا تھا۔

اس کے ابو اس کے بچپن ہی میں وفات پا چکے تھے۔ ابو ایک سرکاری دفتر میں ملازم تھے ان کی پینشن سے گزر بسر ہو رہی تھی۔ امی فرصت کے اوقات میں لوگوں کے کپڑے سیتیں۔ اور اپنے بیٹے افتخار کو ایک اچھے اسکول میں تعلیم دلوا رہی تھیں۔ ان کی خواہش تھی کہ ان کا بیٹا اعلیٰ تعلیم حاصل کرے۔

افتخار ست قدموں سے چلتا ہوا اپنے گھر کے دروازے پر پہنچا اور دستک دی۔

"آتی ہوں بیٹا....." اس کی امی کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔ اور پھر دروازہ کھل گیا۔ افتخار نے انہیں سلام کیا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

"بیٹے کیا بات ہے ..... اداس لگ رہے ہو؟" امی فکر مندی سے بولیں..... "امی صبح اسکول میں فیس جمع کرانی ہے۔" افتخار بولا۔

"کوئی بات نہیں بیٹے ..... کل اسکول جاتے ہوئے فیس لیتے جانا۔" امی نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ پھر کہنے لگیں۔

"تم ہاتھ منہ دھولو۔ میں کھانا لگاتی ہوں۔"

"جی امی ....." افتخار نے دھیمے لہجے میں کہا۔

"امی ہمارے پاس کار کیوں نہیں ہے؟" افتخار نے ہاتھ دھوتے ہوئے معصومانہ لہجے میں امی سے پوچھا۔ امی ایک لمحے کے لئے تو سوچ میں پڑ گئیں پھر برتن میں سالن ڈالتے ہوئے بولیں۔

"بیٹے جب تم بڑے ہو جاؤ گے اور پڑھ لکھ کر نوکری کرنے لگو گے، تب ہمارے پاس کار بھی ہو گی اور ....." امی کی بات کاٹ کر افتخار بول پڑا۔

"اور امی ہمارا گھر فاروق کے گھر جیسا ہو گا نا!"

"ہاں فاروق کے گھر جیسا....." امی نے نرم آواز میں کہا۔

"اچھا آؤ اب کھانا کھائیں۔" اور افتخار ان کے پاس آکر بیٹھ گیا۔ دوسرے دن ناشتے سے فارغ ہو کر افتخار اسکول کو روانہ ہو گیا۔ اس نے فاروق کے گھر کے سامنے سے گزرتے ہوئے دیکھا، گیٹ کھلا ہوا تھا اور گاڑی شیڈ کے نیچے کھڑی تھی۔ ایک ملازم گاڑی صاف کر رہا تھا۔

"گاڑی دیکھ کر افتخار نے سر جھکا لیا۔ جانے کیوں اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ پھر وہ

"خدا حافظ ابو" ..... اس نے ہاتھ ہلایا۔

"خدا حافظ بیٹے .....!" ابو نے اتنا کہہ کر گاڑی آگے بڑھا دی۔

"ارے افتخار تم ابھی تک یہاں کھڑے ہو!" فاروق نے افتخار کو اسکول کے گیٹ کے پاس کھڑے دیکھ کر حیرت سے کہا۔

"ہاں ہم اکٹھے اسکول جاتے ہیں۔" افتخار نے یہ بات مسکرا کر کہی تھی۔ لیکن اس کی آنکھوں میں نمی موجود تھی۔ فاروق نے یہ بات محسوس نہیں کی وہ تیزی سے آگے بڑھا اور بولا۔

"چلو پھر جلدی کرو۔" افتخار نے قدم اٹھا دیئے۔

"آج پھر تم دیر سے آئے ہو!" افتخار نے شکایتی لہجے میں کہا۔

"ہاں یار صبح دیر تک سویا رہا۔ اسی وجہ سے دیر ہو گئی۔ ویسے یار تم پیدل ہی مجھ سے پہلے اسکول کیسے پہنچ جاتے ہو؟" فاروق نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں ..... میں وقت کی پابندی کرتا ہوں مگر" ..... افتخار نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"مگر کیا.....؟" فاروق نے سوالیہ لہجے میں کہا۔

"کچھ نہیں ..... دیکھو اپنی کلاس سے لڑکے نکل کر میدان میں دعا کے لئے جمع ہو رہے ہیں۔ جلدی کرو۔" افتخار کی بات سن کر فاروق تیزی سے قدم اٹھانے لگا۔ دونوں نے اپنی کلاس میں اپنے اسکول بیگ رکھے اور دعا کے لئے میدان میں آ گئے۔

آدھے گھنٹے بعد فارغ ہو کر تمام لڑکے اپنی اپنی کلاسوں میں تھے ۔ افتخار اور فاروق اپنی نشستوں پر خاموشی سے بیٹھے تھے۔ جبکہ باقی تمام لڑکے باتوں میں مصروف تھے اچانک ہی استاد صاحب کمرے میں داخل ہوئے۔ سب لڑکوں نے کھڑے ہو کر ان کا استقبال کیا۔

اپنی نشست پر بیٹھنے کے بعد انہوں نے حاضری رجسٹر نکالا اور حاضری لینے کے بعد بولے۔

"پرسوں فیس جمع کرانے کی آخری تاریخ ہے۔ ذہن میں رکھئے گا۔" پھر انہوں نے اسلامیات کی کتاب نکالنے کی ہدایت کی۔

"افتخار تم نے تو ابھی فیس جمع نہیں کرائی نا؟" فاروق نے کتاب نکالتے ہوئے اچانک ہی کہا۔

"نن ..... نہیں تو..... کل کراؤں گا۔" افتخار گڑبڑا سا گیا۔ فاروق کو ایک لمحے کے لئے حیرت تو ضرور ہوئی لیکن پھر وہ استاد صاحب کی طرف متوجہ ہو گیا۔ وہ کہہ رہے تھے۔

"حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ انسان پر دو قسم کے حقوق فرض ہیں ایک اللہ کے حقوق اور دوسرے بندوں کے حقوق....." استاد صاحب کی باتیں تمام لڑکے توجہ سے سن رہے تھے۔

اسکول سے چھٹی ہوئی تو سب لڑکے اپنے بیگ

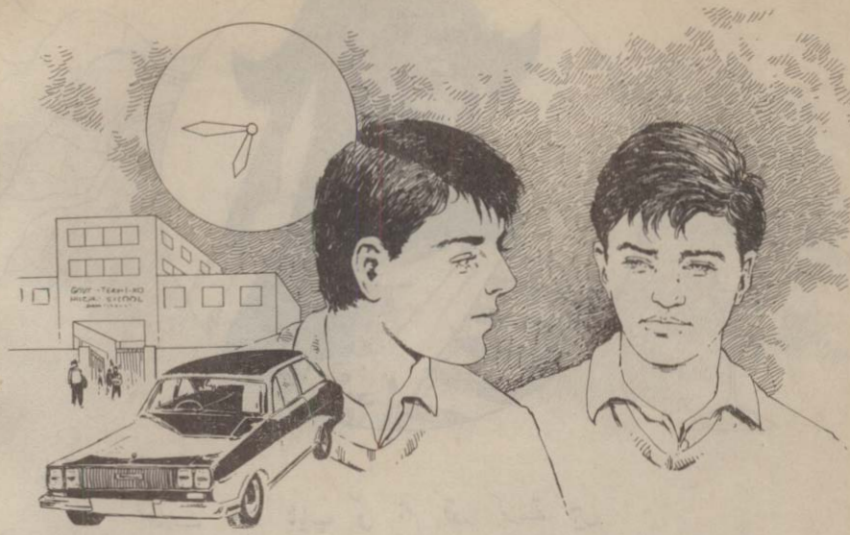

دوست! میں بھول گیا تھا

علی اکمل تصور

"بیٹے جلدی کرو اسکول جانے کا وقت ہو رہا ہے۔" فاروق کے ابو نے چائے کا کپ ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا، اور فاروق تیزی سے سلائس پر مکھن لگانے لگا۔ پانچ منٹ بعد وہ ناشتہ کر چکا تھا۔

"چلئے ابو....." اس نے پہلے سے تیار اپنا اسکول بیگ پکڑا اور کمرے سے باہر نکل آیا۔ ابو نے بھی اخبار پر سے نظریں ہٹائیں اور اپنا بریف کیس اٹھا کر باہر نکل آئے۔ سامنے ہی ان کی سفید گاڑی کھڑی تھی۔ فاروق گاڑی کی اگلی نشست پر اطمینان سے بیٹھا ابو کا منتظر تھا۔ ابو بھی اس کے پاس ڈرائیونگ سیٹ پر آبیٹھے اور گاڑی ایک جھٹکے سے آگے بڑھ گئی۔ گیٹ پر کھڑے ملازم نے دروازہ کھول دیا تھا۔ پندرہ منٹ بعد گاڑی اسکول کی عمارت کے سامنے رک گئی۔ اب تم اسکول جاؤ ..... واپسی پر میں تمہیں لے لوں گا۔" ابو نے مسکرا کر کہا۔ اور فاروق دروازہ کھول کر اپنا بیگ سنبھالتے ہوئے اتر آیا۔

بادشاہ (خوش ہو کر)

تمہارے تحفۂ نایاب کی ہم قدر کرتے ہیں
بطورِ شکریہ دو لاکھ درہم نذر کرتے ہیں

وزیر (بادشاہ سے)

اگر جاں کی اماں پاؤں تو اتنی عرض ہے سرکار
سمجھ سے بات اونچی ہے، وضاحت اس کی ہے درکار
بڑے انسان کی ہے کھوپڑی کیوں اتنی چھوٹی سی؟
مجھے لگتی ہے عالی جاہ یہ معصوم بچّے کی

بادشاہ (اس شخص سے)

یہ سر کیوں اتنا چھوٹا ہے ہمیں یہ بات سمجھاؤ
صِلہ پھر اپنی محنت کا ہمارے ہاتھ سے پاؤ

شخص:- یہ سر بچپن کا ہے سرکار جب وہ دودھ پیتا تھا
اسی چنگیز خاں کا جو درندہ پن میں چیتا تھا
لڑکپن اور جوانی کے سروں کی جستجو اب ہے
وہ میرے ہاتھ آجائیں، یہی تو آرزو اب ہے
اسی دربار میں دونوں سروں کو لے کے آؤں گا
بڑا انعام پھر سرکار کے ہاتھوں سے پاؤں گا

چنگیز خان کا سر

عبدالقادر

منظر:- بادشاہ کا دربار ہے۔ تخت پر بادشاہ سلامت رونق افروز ہیں۔ ایک شخص اپنے ہاتھوں میں طشت لے کر آتا ہے جس میں ایک انسانی کھوپڑی ہے۔

شخص:- مرے سرکار میں اک تحفۂ نایاب لایا ہوں
بڑا لمبا سفر کر کے یہاں خدمت میں آیا ہوں
مرے اس طشت میں چنگیز خان کا کاسۂ سر ہے
وہ جس کی داستانِ ظلم لوگوں کی زباں پر ہے
وہ تاتاری کہ خوں شمشیر سے جس کی ٹپکتا تھا
وہی منگول جس کے دہن سے شعلہ لپکتا تھا
ہلاکو خان کا دادا، بدی اور ظلم کا پیکر
وہ جس کی سخت دہشت تھی سمندر اور خشکی پر
کھڑے کرتا رہا مینار جو انسان کے سر کے
کئی انبار جس کے محل میں تھے لعل و گوہر کے

سے اچھی اور محفوظ جگہ آپ کے گھر کا صحن ہے۔ اگر قریب ہی کوئی پارک واقع ہو تو آپ وہاں اپنے ابو یا بڑے بھائی کے ساتھ بھی جا سکتے ہیں۔ ورزش کرنے کا کوئی ایک وقت مقرر کر لیں اور روز اسی وقت ورزش کیا کریں۔ پہلے دن پانچ منٹ تک ورزش کی جانی چاہئے پھر آہستہ آہستہ وقت بڑھانا چاہئے۔ ورزش شروع کرنے کے چند دن تک جسم میں درد رہتا ہے لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جب آپ کا جسم ورزش کا عادی ہو جاتا ہے تو یہ درد خود بخود ختم ہو جاتا ہے۔

احتیاطی تدابیر

سردیوں میں تو ورزش ٹھیک ٹھاک کرنی چاہئے تاکہ جسم گرم رہے لیکن گرمیوں میں ورزش کم کر دینی چاہئے۔ کیونکہ موسم گرما میں زیادہ ورزش کرنے سے جسم میں پانی کی کمی (de-hydration) واقع ہو جاتی ہے۔ گرمیوں میں ورزش کے بعد دن بھر میں کم از کم تین گلاس پانی، نمک ڈال کر پینے چاہئیں تاکہ نمکیات (جو دوران ورزش پسینے کی صورت میں خارج ہوتے ہیں) کی کمی کو پورا کیا جا سکے۔

ورزش شروع کرتے وقت انسان کو خالی پیٹ ہونا چاہئے یعنی کھانا کھانے کے بعد ورزش نہیں کرنی چاہئے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ ورزش کے بعد پانی یا لسی کے دو تین گلاس ضرور چڑھائے جاتے ہیں۔ یہ ایک بالکل غلط طریقہ کار ہے۔ یاد رکھئے ورزش ختم کرنے کے آدھ گھنٹے بعد تک کچھ کھانا، پینا نہیں چاہئے کیونکہ اس سے معدے پہ بُرا اثر پڑتا ہے اور خون کی تیز گردش میں بھی رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

ایک عام روش یہ دیکھی گئی ہے کہ بچے یا بڑے صبح کو ورزش کے بجائے کوئی کھیل کھیل لیتے ہیں اور اس کو جسم کی نشوونما کے لئے کافی سمجھتے ہیں۔ کھیل اور ورزش دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ کھیل میں کچھ مخصوص اعضا میں قوت اور لچک پیدا ہوتی ہے اور باقی اعضا کمزور رہتے ہیں مثلاً کرکٹ میں باؤلر کا وہ ہاتھ مضبوط ہوتا ہے جس سے وہ گیند کراتا ہے۔ اسی طرح بیڈمنٹن، اسکواش وغیرہ میں بھی جس ہاتھ سے کھیلا جاتا ہے وہ دوسرے ہاتھ کی نسبت قوی اور توانا رہتا ہے۔ اس طرح جسم متوازن نہیں رہتا۔ ایک حصہ کمزور جب کہ دوسرا مضبوط ہو جاتا ہے۔

جسم کو متوازن رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ آپ پہلے ورزش کریں اور بعد میں اپنا پسندیدہ کھیل کھیلیں۔ کیونکہ ورزش کرتے ہوئے انسان کا ہر عضو متحرک ہوتا ہے اور ہر حصے سے مساوی سلوک ہوتا ہے اسی لئے جسم کا توازن بگڑتا نہیں ہے کھیل سے پہلے آدھے گھنٹے تک ورزش کرنے سے آپ کا جسم بھی گرم ہو گا، دماغ میں تیزی آئے گی اور یوں آپ کا کھیل نکھرتا چلا جائے گا۔

●●●

کرتے ہیں تو اعضا پر سے غیر ضروری دباؤ ختم ہو جاتا ہے اور انسان پھر تازہ دم ہو جاتا ہے۔ ماہر نفسیات اور ڈاکٹر حضرات اعصابی دباؤ (نروس بریک ڈاؤن) اور ڈپریشن کے مریضوں کو اسی لئے ورزش کا مشورہ دیتے ہیں۔

ورزش ..... سائنسی توجیہہ

ہمارے جسم میں خون مسلسل گردش کرتا رہتا ہے۔ جو غذا اور ہوا ہم اپنے جسم میں لے کر جاتے ہیں وہ خون کے ذریعے ہی جسم کے ہر حصے تک پہنچتی ہے۔ خون آکسیجن کو ہر عضو تک پہنچاتا ہے اور ان کی خارج کردہ کاربن ڈائی آکسائیڈ CO_2 جذب کر کے پھیپھڑوں تک لے جاتا ہے جہاں سے بالآخر CO_2 خارج کر دی جاتی ہے۔ جب ہم آرام کی حالت میں ہوتے ہیں تو سانس کی رفتار ہلکی ہوتی ہے جس کی وجہ سے کم آکسیجن اندر جاتی ہے اور بہت کم کاربن ڈائی آکسائیڈ باہر خارج ہوتی ہے لیکن ورزش کے دوران عمل تنفس میں تیزی آجاتی ہے اور جسم کے اندر آکسیجن کی زیادہ مقدار پہنچتی ہے۔ دل اور پھیپھڑوں کے کام کی رفتار میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ خون تیزی سے گردش کرتا ہے اور غذا خوب اچھی طرح ہضم ہوتی ہے۔ باقاعدہ ورزش سے قبض کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور نظام ہضم کے توانا ہونے سے بھوک بھی خوب کھل کر لگتی ہے۔ ورزش کی بدولت گہری اور پر سکون نیند آتی ہے۔ جو اچھی صحت کے لئے لازمی ہے۔

ورزش کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس کی بدولت جسم میں موجود بیکار مادے پسینے کی صورت میں خارج ہو جاتے ہیں۔ وہ بچے اور بڑے جو دن بھر کرسیوں پہ بیٹھے رہتے ہیں اور کسی کھیل میں حصہ نہیں لیتے یا ورزش نہیں کرتے تو ان کے جسموں میں یہ مادے جمع ہوتے رہتے ہیں اور مختلف بیماریوں کا سبب بنتے ہیں۔

باقاعدگی سے ورزش کرنے کا میرے نزدیک سب سے اہم فائدہ یہ ہے کہ آپ آسانی سے بیمار نہیں ہو پاتے۔ روزانہ ورزش سے نہ صرف یہ کہ جسم سڈول ہو جاتا ہے، بلکہ اندرونی اعضا بھی مضبوط ہو جاتے ہیں۔ اسی لئے جسم میں بیماری کے خلاف قوتِ مدافعت پیدا ہو جاتی ہے اور عام بیماریوں مثلاً نزلہ، کھانسی وغیرہ کا حملہ اکثر بغیر دواؤں کے ہی پسپا ہو جاتا ہے۔ گویا ورزش کرنے والے سدا بہار صحت کا لطف اٹھاتے ہیں۔

دوسری طرف وہ حضرات ہیں جو ورزش کرتے ہی نہیں۔ ان کی قوت مدافعت کم ہوتی ہے اور کیونکہ ان کے جسم میں بیکار مادے جمع رہتے ہیں اس لئے بیماریاں ان پر بار بار حملہ آور ہوتی ہیں۔

ورزش کے ساتھ ساتھ اگر مناسب خوراک بھی لی جائے تو موٹاپا بھی کم ہو سکتا ہے۔ بے ڈول جسم سڈول اور بے رونق چہرے، پر نور ہو سکتے ہیں مگر صرف ورزش سے۔

ورزش کے اوقات

ورزش کا بہترین وقت صبح کا ہے اور سب

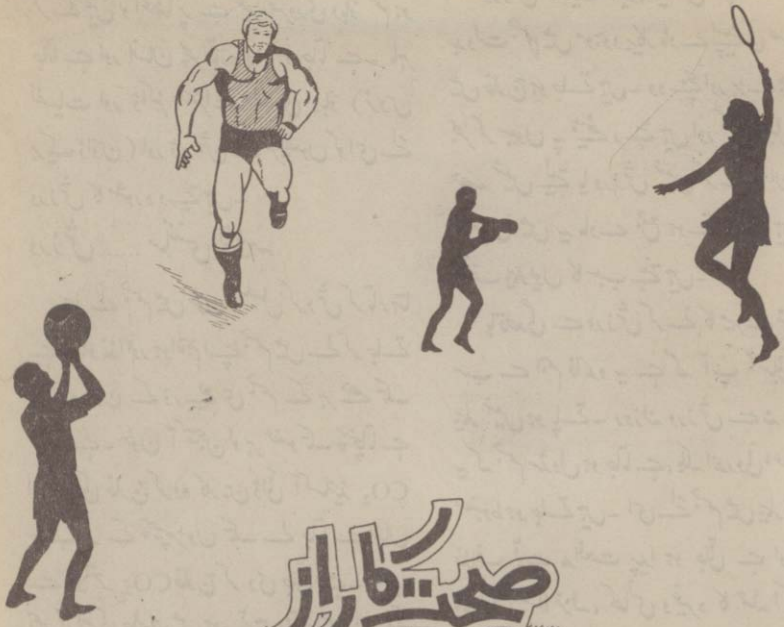

صحت کا راز

محمد رافع

کیا آپ چاہتے ہیں کہ آپ تندرست رہیں، چہرہ آپ کا روشن ہو، کبھی آپ بیمار نہ پڑیں، جسم میں سستی محسوس نہ ہو، ہر وقت چاق و چوبند رہیں تو آیئے پھر ہم آپ کو اس کا طریقہ بتاتے ہیں۔

آج کے تیز رفتار دور میں صحت کا راز صرف اور صرف ورزش میں پنہاں ہے۔ باقاعدہ ورزش سے نہ صرف یہ کہ آپ تندرست رہتے ہیں بلکہ دن بھر تازگی اور چستی بھی آپ میں سمائی رہتی ہے۔ جو بچے ہر روز ورزش کرتے ہیں ان کا ہر کام میں خوب دل لگتا ہے اور نصابی و غیر نصابی سرگرمیوں میں وہ دوسرے بچوں سے ممتاز رہتے ہیں۔

ورزش کے اثرات

ورزش ہر شخص کے لئے اتنی ہی ضروری ہے جتنی کہ غذا۔ ہمارے جسم میں کئی اعضا ہیں جو دن رات کام کرتے رہتے ہیں۔ مسلسل حرکت میں رہنے کے باعث ان کی قوت کم ہو جاتی ہے اور جسم میں تھکن محسوس ہونے لگتی ہے۔ جب ہم ورزش

یہ پانی۔ زندگی ہے یا قطرہ قطرہ موت

یہ پھول جیسی بچی اس گندے پانی کو پینے کے لئے بوتل میں بھر رہی ہے۔ اس کے گھر میں نلکا نہیں ہے۔ کہیں آس پاس بھی پینے کا پانی نہیں ملتا۔ چنانچہ یہ بچی روزانہ پانی کی تلاش میں نکلتی ہے۔ شاید اس بچی یا اس کے گھر والوں کو کسی نے نہیں بتایا کہ اس قسم کا پانی خطرناک بیماریاں پیدا کرنے کا سبب بن سکتا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ یہ کریں بھی تو کیا؟ پانی نہ پئیں تو کیا پیاسے مرجائیں۔ یہ بات تو حکومت اور ہم سب کے سوچنے کی ہے۔ گزشتہ چھیالیس سال میں ہم اپنے بچوں کو پینے کا ایک گلاس صاف پانی تک مہیا نہ کر سکے۔ کتنے شرم کی بات ہے۔

برطانیہ اور امریکہ میں یہ بات ایک سو سال پہلے ہی معلوم کرلی گئی تھی کہ ہیضہ اور دوسری بیماریاں گندگی اور پینے کے ناصاف پانی کے استعمال سے پھیلتی ہیں۔ لہٰذا ان ملکوں میں ایسے قوانین بنائے گئے جن کے ذریعہ لوگوں کے لئے پینے کا صاف پانی فراہم کرنا ضروری قرار پایا۔ ہمارے ملک میں بھی صفائی کے قوانین موجود ہیں لیکن اس کے باوجود یہ بچی جوہڑ سے پینے کے لئے پانی بھر رہی ہے۔ اسی سے یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ ہمارے ملک میں ہر سال پندرہ لاکھ بچے کیوں مرجاتے ہیں۔

آپ کا مشاہدہ کتنا اچھا ہے

اگر آپ اپنے کسی دوست کے مشاہدے کا امتحان
لینا چاہتے ہیں تو پھر آپ یہ تصویر اپنے کسی دوست کو دکھائیں
اور اس سے کہیں کہ اس تصویر کو خوب غور سے دیکھ لو جب وہ یہ
تصویر دیکھ لے تو آپ تصویر کو چھپا کر اس سے تصویر کے بارے میں
چند سوالات کیجئے۔ اگر وہ سارے سوالوں کے صحیح جواب دے
تو سمجھ لیجئے کہ اس کا حافظہ اور مشاہدہ دونوں اچھے ہیں۔

مناسب دام - بہت آرام

آنکھ مچولی

گھر بیٹھے پائیے

86 روپے بچائیے

آنکھ مچولی کے ۱۰ عام اور ۲ خاص شماروں کی سالانہ قیمت مع رجسٹرڈ ڈاک خرچ ۲۳۶ روپے بنتی ہے

مگر

ممبرشپ حاصل کرنے پر ۸۶ روپے کی خصوصی بچت

آپ ہمیں ۱۵۰ روپے کا منی آرڈر روانہ کر دیجئے
ہم آپ کو سال بھر آنکھ مچولی باقاعدگی سے بھجواتے رہیں گے۔

- منی آرڈر فارم پر اپنا مفصل نام اور پتہ ضرور لکھئے۔
- مشرقِ وسطیٰ کیلئے ۴۰۰ روپے
- امریکہ اور یورپ کیلئے ۵۰۰ روپے

منی آرڈر اس پتے پر روانہ کریں

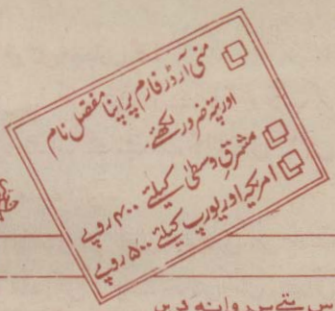

ماہ نامہ آنکھ مچولی - 1 - پی - آئی - بی کالونی، کراچی - ۵

خیریت انہوں نے نوکروں سے پوچھ لی تھی۔ اور نوکروں نے انہیں مطمئن بھی کر دیا۔ حالانکہ ششماہی امتحانات میں، میں دو پرچوں میں فیل ہو گیا تھا۔ میں نے میڈم کا دیا ہوا خط اٹھایا اور ڈرتے ڈرتے دروازہ کھولا اور پھر بے دھڑک اندر گھس گیا۔ ابو اپنے بریف کیس پر جھکے ہوئے تھے۔

"کیا بات ہے بیٹا؟" ابو نے میری طرف ایک نظر دیکھا اور پھر کاغذات دیکھنے لگے۔

"ابو۔" میں نے سپاٹ لہجے میں ڈرتے ہوئے کہا

"کیا بات ہے؟"

"پیسے چاہئیں!!" ابو نے پھر سوال کیا۔

"نہیں آپ۔"

میں نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔

"کیا؟" ابو میری طرف حیرانگی سے دیکھنے لگے۔

"ابو میں مرجاؤں گا۔"

میں نے تقریباً چیختے ہوئے کہا تو ابو تڑپ کر آگے بڑھے اور مجھے سینے سے لگا لیا میری آنکھیں اشک برسانے لگیں۔

"کیا ہوا بیٹا؟" انہوں نے میری کمر سہلاتے ہوئے کہا۔ آج نہ جانے مجھ میں کہاں سے اتنی ہمت آگئی تھی۔ لیکن اس ہمت نے جو مجھے احساس عطا کیا تھا وہ احساس تو میڈم کی باتوں سے زیادہ تسکین آمیز تھا۔ ابو کے سینے سے لگ کر مجھے جو محفوظ ہو جانے کا احساس ہو رہا تھا یہ میرے لئے عجیب فرحت بخش تھا۔ دل چاہ رہا تھا کہ کبھی اس سینے سے جدا نہ ہوں۔ میڈم کا دیا ہوا خط میرے ہاتھ میں تھا لیکن اب شاید اس کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی۔

بے خوابی

بے خوابی ایک مرض ہے
تاریخ کے صفحات کی ورق گردانی سے پتا چلتا ہے کہ دنیا کی مشہور و معروف ہستیاں اس مرض کا شکار رہی ہیں۔

ان میں سے چند کے نام یہ ہیں۔

فرانز کافکا ——— ادیب
رڈیارڈ کپلنگ ——— ادیب
چارلس ڈکنز ——— انگریز ادیب
الیگزینڈر ڈوماز ——— انگریز ادیب
ٹامس ایڈیسن ——— امریکی موجد
بینجمن فرینکلن ——— امریکی دانش ور
جیکولن سوزاں ——— ادیبہ
وان گوف ——— مصور
نپولین بونا پارٹ ——— فرانس کا مشہور جرنیل
کیتھرائن اعظم ——— روس کی ملکہ
ونسٹن چرچل ——— برطانیہ کا وزیر اعظم

مرسلہ:۔ جاوید سعید، پسنی مکران

میرے اس طرح رونے پر میڈم تمام صورت حال سمجھ گئیں۔ میں بہت زیادہ حساس ہو گیا تھا۔

"ارے بیٹا کیا ہوا؟" وہ سیٹ سے اٹھ کر میرے پاس آگئیں اور مجھے کرسی پر بٹھا دیا۔

"سب میری تضحیک کرتے ہیں۔ میری رنگت کا مذاق اڑاتے ہیں۔" میں نے ایک بار پھر رندھی ہوئی آواز میں کہا۔

ایک لمحے میں، میڈم کو اپنی ماں سمجھ بیٹھا۔ میں اپنا دل کھول کر ان کے سامنے رکھ دینا چاہتا تھا۔

"دیکھو بیٹا۔ آپ ایک ذہین بچے ہیں۔ لوگوں کی باتوں پر توجہ دینا کوئی اچھی بات نہیں۔ صورت کا کیا ہے اصل چیز تو سیرت ہے۔ جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ اندر سے کالے ہیں ان کے دل کالے ہیں بیٹا۔ حضرت بلال‌ؓ ایک حبشی تھے لیکن کتنی بڑی ہستی ہے ان کی، ان کا کردار بے مثال ہے، انہیں یہ مقام ان کی صورت نے نہیں کردار نے دیا ہے۔" میڈم بولتی چلی گئیں اور مجھے عجیب تازگی کا احساس ہوتا رہا۔ میرا دل چاہا کہ وہ بولتی رہیں۔ پھر انہوں نے لیٹر پیڈ نکالا اور اس پر کچھ لکھنے لگیں۔ لکھنے کے بعد انہوں نے وہ مجھے تھما دیا اور ابو کو دینے کی تلقین کی، خط لینے کے بعد میں دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

ابو جاپان سے کچھ دیر پہلے لوٹے تھے وہ اس وقت اپنے کمرے میں تھے۔ ہم بہن بھائیوں کی

اچھے ساتھی علمی مقابلہ نمبر ۵ : انعامی رقم مبلغ ۲۰۰/- روپے

۹ر دسمبر ۱۹۹۳ء تک جواب لازماً پہنچ جانے چاہئیں۔ اس علمی مقابلہ میں ہر سطح کے طلباء و طالبات ہی شرکت کے مجاز ہیں۔ درس گاہ اور گھر کے مکمل پتوں کے بغیر جواب مسترد کر دیئے جائیں گے۔ انعام یافتگان کے پورے پتے شائع کئے جائیں گے۔ قرعہ اندازی نہیں ہوگی۔ نتیجہ کی فوٹو کاپی ڈاک خرچ، اسٹیشنری کی مد میں دو روپے کے ڈاک ٹکٹ روانہ کریں ورنہ شریک مقابلہ نہیں کیا جائے (مرتبین: اسما ہارون اور شکیلہ طارق بی اے)
پتہ: C-25 گلشن رفیع ملیر کراچی — ۷۵۲۱۰

(۱) نبی کریم حضرت محمدﷺ کی رسالت کی ابتدا کس سورۃ مبارکہ کے نزول سے ہوئی (۲) حضرت خدیجہؓ اور آں حضرتﷺ کے نکاح کا خطبہ کس نے پڑھا (۳) جب لاگو ہوتی ہے تو زندگی بھر نہیں چھوٹتی (۴) اصحاب عشرہ مبشرہؓ کے اسم ہائے گرامی بتائیں (۵) "پاکستان زندہ باد" کا زندۂ جاوید نعرہ سب سے پہلے کس نے اور کہاں بلند کیا (۶) بوجھیے تو......؟ (الف) بے دال کا بودم (ب) رات کا مسافر (ج) دو جمع دو = پانچ۔ اگر آپ ثابت کر کے دکھا سکیں تو دکھائیں (د) آسمانی چاند کو اپنے ہاتھ پر کون اٹھا سکتا ہے (ہ) "آپ آموں کا کیا پوچھتے ہیں؟ سب بڑے چھوٹے مزے لے لے کر کھا رہے تھے اور چھلکے مائی جمنا اور گنگا رام اٹھا اٹھا کر دریائے نیل میں پھینک رہے تھے۔" (اس جملے میں پوشیدہ دریاؤں کے نام لکھیں) (۷) چند اشعار کے ساتھ ساتھ کچھ شعراء کے نام درج کئے گئے ہیں۔ ہر شعر کے صحیح شاعر کا نام تحریر کریں۔ شعراء کے نام:- اقبالؒ۔ اکبر الہ آبادی۔ مولانا ظفر علی خان۔ جگر مراد آبادی۔ حفیظ جالندھری۔ احسان دانش۔ داغ دہلوی۔ ذوق۔ سیف الدین سیف۔ انور مسعود۔ حفیظ میرٹھی۔

۱۔ دیکھا جو تیر کھا کے کمین گاہ کی طرف □ اپنے ہی دوستوں سے ملاقات ہو گئی!
۲۔ بہت شوق انگریز بننے کا ہے □ تو چہرے پہ اپنے گلٹ کیجیے
۳۔ یہی انداز تجارت ہے تو کل کا تاجر □ برف کے باٹ لئے دھوپ میں بیٹھا ہوگا
۴۔ شیشہ ٹوٹے غُل مچ جائے □ دل ٹوٹے آواز نہ آئے
۵۔ کھول کر ان سیاہ بالوں کو □ روک دو صبح کے اُجالوں کو
۶۔ اندھیری شب ہے جدا اپنے قافلے سے ہے تو □ ترے لئے ہے مرا شعلۂ نوا قندیل
۷۔ جہلِ خرد نے دن یہ دکھلائے □ گھٹ گئے انسان بڑھ گئے سائے!
۸۔ نہیں ملتا کسی مضموں سے ہمارا مضموں □ طرز اپنا ہے جدا سب سے جدا کہتے ہیں!
۹۔ قبر کے چوکھٹے خالی ہیں انہیں مت بھولو □ جانے کب کون سی تصویر لگا دی جائے

۹ر دسمبر ۹۳ء (جواب پہنچنے کی) آخری تاریخ ہے

احساس میری آنکھوں سے آنسوؤں کی صورت میں بہہ نکلا۔ عظیم نے میرے گلے میں ہاتھ ڈالا اور مجھے لے کر باہر نکل گیا۔ اسکول کے گیٹ کے باہر ہی ڈرائیور گاڑی کا دروازہ کھولے کھڑا تھا۔ میں نے عظیم سے ہاتھ ملایا اور گاڑی میں بیٹھ گیا۔ پورے راستے میرے کانوں میں شاہد اور اسلم کے جملے گونجتے رہے۔

گھر پہنچ کر میں تیزی سے برآمدے کی طرف چل پڑا۔ وسیع راہداری کو عبور کر کے میں بیل کے پاس پہنچ گیا۔ دل میں غم کا ایک طوفان برپا تھا۔ نہ جانے کتنی دیر میں اس کے پاس بیٹھا رہا۔ مجھے لگا جیسے وہ بھی آج میری طرح غمگین ہے۔ اس کے تمام پھول سر جھکائے ہوئے ہیں۔ اچانک اماں بی مجھے پکارتی ہوئی برآمدے میں آگئیں۔

"ارے بیٹا کھانا تو کھالو پہلے اور یہ کپڑے بھی نہیں بدلے ہیں!؟" انہوں نے ناگواری سے کہا تو میں چپ چاپ برآمدے سے نکل کر اپنے کمرے کی طرف چل پڑا۔ ان کا یہ لہجہ مجھے بالکل اچھا نہ لگا۔ زندگی قاعدے اور ضابطے میں بندھ کر رہ گئی تھی۔ وقت پہ سونا، وقت پہ اٹھنا، اس وقت یہ کرنا اس وقت وہ کرنا۔ باہر کے تمام کام تو نوکروں کی فوج سرانجام دیتی تھی۔ اور میں ہر وقت برآمدے میں پڑا کتابوں سے سر کھپاتا رہتا تھا۔

اپنے کالے پن کا اللہ سے کبھی شکوہ بھی نہ کیا حالانکہ اس رنگت نے مجھے زیادہ پریشان کر رکھا تھا۔ کالے پن کا احساس جتنا مجھے شاہد نے دلایا تھا اتنا تو مجھے خود سے کبھی نہ ہوا تھا۔

جب سے میں نے پہلی پوزیشن لے کر اس سے یہ اعزاز چھینا تھا وہ میرا دشمن بن گیا تھا، لیکن لگتا تھا کہ جیسے میں، میں اب پاس بھی نہیں ہوں گا کیونکہ میری صحت گرتی جارہی تھی اور ذہن بھی صحیح کام نہیں کر رہا تھا اور پھر شاہد سے بچنے کے لئے میں چھٹیاں بھی تو کر رہا تھا۔ ابو تو ایک مہینے سے جاپان بزنس ٹور پر گئے ہوئے تھے۔

☆ ..... ☆ ..... ☆ ..... ☆

"کیا بات ہے بیٹا آپ پڑھائی میں دلچسپی کیوں نہیں لے رہے، اپنا رزلٹ دیکھا ہے آپ نے؟" آخر ایک دن میڈم نے مجھے اپنے کمرے میں بلوالیا۔ میں چپ چاپ سر نیچے کئے کھڑا رہا اور میڈم کی باتیں سنتا رہا۔

"کیا بات ہے بیٹا طبیعت ٹھیک نہیں؟" انہوں نے نرمی سے سوال کیا۔

"نہیں میڈم ٹھیک ہوں۔" میں نے ہلکے سے کہا۔

"ٹھیک ہو! حالت دیکھی ہے اپنی، اُڑی اُڑی رنگت، پچکے ہوئے گال، گرتی ہوئی صحت اور کہتے ہو ٹھیک ہوں۔" میڈم نے پیار سے برہم ہوتے ہوئے کہا تو میری آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔

"میڈم خدا نے ہی ایسا بنایا ہے۔" یہ کہتے ہوئے میری آواز رندھ گئی۔

بھائی ہونے کے باوجود مجھ میں اور رخشی میں زمین آسمان کا فرق تھا، میری رنگت بالکل کالی تھی جبکہ رخشی بالکل چاندسی گڑیا معلوم ہوتی تھی۔

حویلی نما گھر کے اس چھوٹے سے برآمدے میں بیٹھ کر میں امتحانوں کی تیاری کر رہا تھا۔ اس شدید گرمی میں برآمدے کا یہ گوشہ جہاں سرخ پھولوں والی بیل نیچے تک جھک آئی تھی، کچھ پرسکون تھا۔ قیامت کی گرمی میں جبکہ آسمان پر بلا شرکت غیرے سخت سورج کا راج ہوتا تھا، اس کونے میں خشک سا اندھیرا چھایا رہتا تھا۔ نجانے کیوں مجھے یہ اندھیرا اچھا لگتا تھا۔ شاید میں بہت زیادہ تنہائی پسند ہو گیا تھا۔

امی کے انتقال کو دس سال ہوگئے تھے۔ اب تو حافظے میں ان کی ہلکی سی تصویر بھی باقی نہیں رہی تھی۔ ابو بھی کبھی کبھی نظر آتے تھے۔ انہیں اپنے بزنس سے ہی فرصت نہیں تھی، پوری حویلی میں امی کی کوئی ایک بھی تصویر موجود نہیں تھی۔ رخشی ہر وقت اماں بی سے چپکی رہتی تھی۔ وہ ابھی چھوٹی بھی تو بہت تھی۔ وہ اماں بی کو ہی اپنی ماں سمجھتی تھی۔ پوری حویلی میں مجھے جس شے سے سب سے زیادہ محبت تھی۔ وہ سرخ پھولوں والی بیل تھی۔ ویسے تو مجھے رخشی سے بھی بڑا پیار تھا لیکن دن کا زیادہ تر حصہ میں اس بیل کے ساتھ گزارتا تھا۔ اسکول سے آنے کے بعد میں سیدھا بیل کے پاس پہنچ جاتا تھا۔ سردیوں میں، میں یا مالی بابا جب اس بیل کو تھوڑا سا کانٹ چھانٹ دیتے تو یہ گوشہ سورج کی کرنوں سے روشن ہو جاتا۔ بارشوں میں جب کبھی یہ بیل مجھ پر موتی لٹاتی تو مجھے یہ دنیا بہت حسین لگتی لیکن پھر اچانک میرا دل بجھ جاتا۔ اسکول میں پابندی سے جاتا تھا لیکن اب چھٹیاں بھی بہت کرنے لگا تھا۔ اس کی اصل وجہ شاہد تھا۔ ایک دن چھٹی میں باہر نکل رہا تھا تو عظیم نے مجھے "زلفی" کہہ کر دو تین مرتبہ پکارا۔ سب مجھے ذوالفقار ہی کہتے لیکن دوست ہونے کی وجہ سے عظیم مجھے زلفی ہی کہتا تھا۔ مجھے بھی یہ نام اچھا لگتا تھا۔ جب اس نے مجھے پکارا تو پیچھے بیٹھے ہوئے صمد نے کہا کہ "بھئی کیا بات ہے اتنی سردی میں قلفیاں بیچنا شروع کر دی ہیں۔" اس نے مصنوعی کپکپاہٹ کے ساتھ اس طرح کہا کہ پوری کلاس قہقہوں سے گونج اٹھی۔

"حضرت میں نے زلفی کہا ہے قلفی نہیں آپ اپنے کانوں کا میل صاف کرایئے یا سال میں ایک مرتبہ ہی نہا لیا کیجئے۔" عظیم نے طنزیہ لہجے میں اس طرح کہا کہ سب کے ہونٹوں پر دبی دبی مسکراہٹ بکھر گئی۔

"بھئی صحیح تو کہہ رہا ہے قلفی بھی کہیں اتنی کالی ہوتی ہے؟" شاہد نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تو میرا دل کٹ کر رہ گیا۔

"بھئی دراصل یہ قلفی کیچڑ میں گر گئی تھی۔" اسلم نے فلسفیانہ انداز میں کہا تو شاہد کے سارے دوست قہقہے مار مار کر ہنسنے لگے۔ کالے پن کا احساس مجھے اندر ہی اندر ڈسنے لگا اور بالآخر یہی

دھوپ چھاؤں

محمد علی انصاری

میں نے بہت زیادہ تھک کر کتابوں سے نظریں اٹھائیں۔ اپنی جلتی ہوئی آنکھوں کو دونوں ہاتھوں سے آہستہ آہستہ مل کر ایک زور دار جمائی سے اپنی تھکن کا اظہار کیا "اف مرے اللہ اس امتحان سے عاجز آچکا ہوں۔" میں نے دل میں سوچا۔ ہر سال امتحان دیتے دیتے میں عاجز آچکا تھا۔ لیکن یہ چسکا آسانی سے چھوٹنے والا تو نہیں تھا۔ ایک تھکن میرے اعصاب پر سوار ہو چکی تھی اور میں ذرا سی دیر کو اس ماحول سے نجات چاہتا تھا

سو میں نے جب کتابوں پر سے نظریں ہٹائیں تو رخشی کا مسکراتا چہرہ میرے سامنے تھا۔ گلابی رنگت، چمکدار سیاہ آنکھیں، گھنگریالے بال، چاندی سی پیشانی پر بکھری ہوئی لٹیں، مسکراہٹ کی قندیل کی روشنی سے دمکتا چہرہ، اپنی خشک کتابوں سے نظریں ہٹا کر میں نے رخشی کی طرف دیکھا تو قدرت کی صناعی پر رشک آنے لگا۔

"کتنے خوبصورت چہرے ہیں دنیا میں بشمول میری اجاڑ صورت کے۔" میں نے دل میں سوچا۔ بہن

قرعہ اندازی کے ذریعے انعام حاصل کرنے والی خوش نصیب

ناجیہ رؤف ، کراچی -

درست جواب دینے والے ساتھی:-

محمد یاور حکیم، نورین نعیم، عائشہ عثمان، کراچی۔ محمد محسن مبین، نواب شاہ۔ محمد نبیل احمد، سعدیہ صدیقی، محمد منیر صدیقی، تسنیم سلطان، زبیر اشفاق انصاری، بلال اشفاق انصاری، زید اشفاق انصاری، کراچی۔ لبنیٰ سعدیہ، محمد سہیل احمد، کراچی۔ محمد اقبال خان، فیصل آباد۔ منوج کمار بچانی، حیدر آباد۔ الیاس اختر انصاری، حیدر آباد۔ جاوید اقبال کنبھوردی، حیدر آباد۔ فراز احمد خان، کراچی۔ محمد راحیل بن یحییٰ، حیدر آباد۔ ریاض اسرار بیگ، کراچی۔ نصیر احمد انصاری، فیصل آباد۔ محمد علی چوہدری، صدف بشیر خان، افشاں بشیر عمیر خان، ممتاز الدین احمد، محمد باسط، کراچی۔ سید صولت علی جعفری، حیدر آباد۔ ملک سرفراز احمد، فیصل مختار، ملتان۔ سیدہ حنا بخاری، محمد عدنان تابانی، محمد زبیر تابانی، عبدالخالق، کراچی۔ میاں عبدالرزاق، ملتان۔ سید احمد حسن، سید عثمان حسنی، لاہور۔ محمد سعد کراچی۔ سید حسنین عباس ہمدانی، رباب سید ہمدانی، سید توقیر عباس ہمدانی، سید اسد عباس ہمدانی، کموٹہ۔ موحل قاضی، ملتان۔ میر عدیل پرویز، مظفر آباد۔ شازیہ نثار، فوزیہ نشار، ڈونگہ بونگہ۔ محمد فہد، سید شمیم احمد زیدی، آصف علی انصاری، عمران شفیع، نوید احمد، کراچی۔ فرزانہ کوثر، اسلام آباد۔ محمد کلیم ولی، ٹنڈو آدم۔ ضیاالدین، لاہور۔ سائرہ صدیقی، لالہ موسیٰ۔ ایم وقاص انجم، عاصمہ بشیر شیخوپورہ۔ پروین اسلام، لاہور۔ عبدالوحید میمن، حیدر آباد۔ عدیل احمد، سائرہ سلطان، صوفیہ سلطان، سیدہ قرۃ العین فاطمہ، کراچی۔ مریم سلیم، راولپنڈی۔ سید راحت حسین نقوی، کراچی۔ ارسم عباس، راولپنڈی۔ شمائلہ نیاز، رحیم یار خان۔ جعفر مسعود، واہ کینٹ۔ سجاد یونس، کراچی۔ ایم شاکر حاجی عبدالمجیب، سکھر۔ سید علی احسن جعفری، پرانا سکھر۔ محمد جہاں زیب اسلم، کراچی۔ ضیغم عباس جسکانی، حیدر آباد۔ مسعود احمد سومرو، گڈو۔ جاوید اقبال عاجز، ڈونگہ بونگہ۔ ارجمند جبیں، کراچی۔ محمد اعجاز خرم، راولپنڈی، عائشہ عرفان صدیقی، پشاور۔ سید دانش رضا، کوئٹہ۔ یاسر آفاق، لاہور۔ رانا مدثر مختار، ارم مبین مختار رانا، عینی کشمالہ، عنزہ شارمین، رحیم یار خان۔ محمد عارف، کراچی۔ عامر بشارت بٹ، و.پاپور۔ رضوان احمد، فیضان احمد، کراچی۔ سید عطاالرحمان، کوئٹہ۔ شفق سعید، (؟) شہزادہ ذیشان سید بخاری، بہاولپور۔ ریحانہ ترک، بدین۔ شاہ جہاں ملک، تلہ گنگ۔ راشد اشرف اعوان، حیدر آباد۔ کنول قیصر، میانوالی۔ حافظہ ہالہ قادری، ملتان۔ عمار وحید سلیمانی، لاہور۔ محمد ذیشان آغا۔ پاک پتن۔ سید عمران، بھکر۔ سحر طلعت، راولپنڈی۔ محمد وقاص ابرار، اسلام آباد۔ مولا بخش بلوچ، کراچی۔ بلال احمد مجاہد، میاں چنوں۔ مظہر حسین چشتی، خانیوال۔ سید افشاں فرح، کراچی۔ صائمہ بشیر بہاولپور۔ عزیز احمد، کراچی۔ نثار زاق، لاہور۔ شازیہ عزیز، کراچی۔ عمران محمود راجپوت، بہاولپور۔ گل افشاں، محمد اشرف، میرپور خاص۔ فاطمہ شاہین، لاہور۔ اسماتھانوی، کراچی۔ احسن اظہر، اصباح ارم، فریحہ ارم، بہاولپور۔ احمد ظہیر قریشی، لاہور۔ قرۃ العین فاطمہ، کاشف نثار، ملتان۔ رخشندہ ریاض، تابندہ ریاض، لاہور۔ غلام نبی، روبینہ فردوس، تسمینہ فردوس، رشید ناز، سکینہ فردوس، ذوالفقار علی، محمد مشتاق حسین، محمد الطاف حسین، عبدالستار خان طاہر، بورے والا۔ محسن مختار، لاہور۔ ارم فاطمہ، سکھر۔ مستری اے ڈی رضا، ڈونگہ بونگہ۔ وسیم شہزاد، علی پور چٹھہ۔ منیر احمد، لاوہ۔ ساجدہ پروین، عمر فاروق قیصر، محمد بشیر صدیقی، فیصل عمران ڈوگر، علی رضا، محمد ظفر اللہ ضیا، ایاز محمود، کمالیہ۔ کاشفہ خاتون، کراچی۔ امتیاز علی آرائیں، منصور احمد سومرو، کشمور۔ صائمہ کنول، عظمیٰ کنول، حیدر آباد۔ صائمہ دلدار، مزمل شاہ، طاہر شاہ، نائلہ عنبرین، جھمرہ سٹی۔ راجا شاہد حسین، سومرو، کشمور۔ عدیل رضا، تلہ گنگ۔ راحت اللہ خان، اسلام آباد۔ میاں محمد کاشف سعید، کراچی۔ خرم نذر وڑائچ، لاہور۔ سہیل احمد خان، حیدر آباد۔ شاہد الیاس، کراچی۔ ہماافتخار، عمر علی قادری، نعیم قادری، سیدہ عطیہ فرح، سید منور الدین، حفصہ قادری، محمد الیاس، سادہ عارف، کراچی۔ امامہ غلام دستگیر، حیدر آباد۔ نازش گلزار علی، عمران بشیر کراچی۔ شہلا صدیقی، ٹنڈو آدم۔ امرین رفیق، نورین رفیق، عروج رفیق، ثانیہ رفیق، محمد فیصل رفیق، فرح رفیق، کراچی۔ نوشین مختار رانا، رحیم یار خان۔ صفی اللہ، چارسدہ۔ محمد حسیب الرحمٰن، لاہور۔ محمد صابر بھمبرو، کراچی۔ جاوید انصاری، سانگھڑ۔ نادیہ ملک، لاہور۔ جواد، فہد اقبال، کراچی۔ عاطف ندیم خان، چیچہ وطنی۔ حسنین اشرف، فیصل آباد۔ محمد سلمان خان سنبل، لاہور۔ عبدالرحمٰن، مسیال۔ عرفان حیدر بخاری۔ صادق آباد۔

گزشتہ ماہ کے درست جوابات

سردار عبدالرب نشتر

وجہ شہرت۔ تحریک پاکستان

پاکستانی سیاست دان ۱۸۹۹ء میں پشاور کے علاقے میں پیدا ہوئے۔ علی گڑھ میں تعلیم پائی اور آبائی وطن میں وکالت کا پیشہ اختیار کیا۔ ۱۹۳۷ء میں صوبائی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ ۱۹۴۳ء میں جب صوبہ سرحد میں سردار اورنگ زیب نے پہلی مسلم لیگی وزارت قائم کی تو سردار عبدالرب نشتر کو اس میں وزارتِ خزانہ کا قلم دان سونپا۔ پھر ۱۹۴۶ء میں غیر منقسم ہندوستان کی عبوری حکومت میں مسلم لیگ کے نمائندہ کی حیثیت سے وزارت میں شامل کئے گئے۔

قیام پاکستان کے بعد آپ مرکزی کابینہ میں وزیر مواصلات مقرر ہوئے۔ ازاں بعد صوبہ پنجاب کے گورنر مقرر ہوئے۔ ۱۹۵۱ء میں دوبارہ مرکزی کابینہ میں وزیر صنعت و حرفت کی حیثیت سے شامل ہوئے۔ خواجہ ناظم الدین کی وزارت عظمیٰ کی برطرفی کے ساتھ سردار نشتر کو بھی اقتدار سے محروم ہونا پڑا۔ آپ بڑے پکے مسلم لیگی تھے۔

۱۹۵۸ء کے آغاز میں مختصر سی علالت کے بعد کراچی میں فوت ہوئے۔ آپ مزار قائد کے احاطہ میں مدفون ہیں۔

نواب سلیم اللہ خان

وجہ شہرت۔ تحریک پاکستان

نواب سلیم اللہ ڈھاکہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد نواب احسان اللہ کا انتقال ۱۹۰۱ء میں ہوا اور سلیم اللہ ان کے جانشین بنے۔

۱۹۰۳ میں آپ کو نواب کا خطاب ملا۔ آپ نے عام مسلمانوں کی بھلائی اور اتحاد کی کوششوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ مسلمانوں کے تعلیمی اداروں خصوصاً علی گڑھ کالج اور سانچی کالج کو قابل قدر امداد دی۔

دسمبر ۱۹۰۶ء میں ڈھاکہ میں نواب وقار الملک کی صدارت میں مسلمان لیڈروں کا ایک اہم اجلاس ہوا۔ جس میں نواب سلیم اللہ کی تجویز پر مسلمانوں کی جماعت مسلم لیگ قائم کی گئی۔ اسی مسلم لیگ نے ۱۹۴۷ء میں پاکستان قائم کیا۔ نواب سلیم اللہ ایک سچے مجاہد آزادی تھے۔ ۱۹۰۵ء میں انگریزوں سے بنگال کو تقسیم کرنے میں نواب سلیم اللہ کی کوششوں کا بھی دخل تھا۔ لیکن انگریزوں نے ہندوؤں کے دباؤ سے جب ۱۹۱۱ء میں تقسیم بنگال منسوخ کر دی تو نواب صاحب کو سخت صدمہ ہوا وہ بیمار ہو گئے اور پھر صحت یاب نہ ہو سکے ۱۹۱۵ء میں آپ کا انتقال ہوا۔

عکس اَدھورے کیجئے پورے

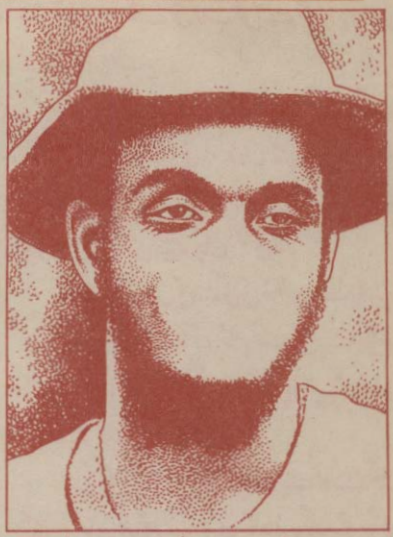

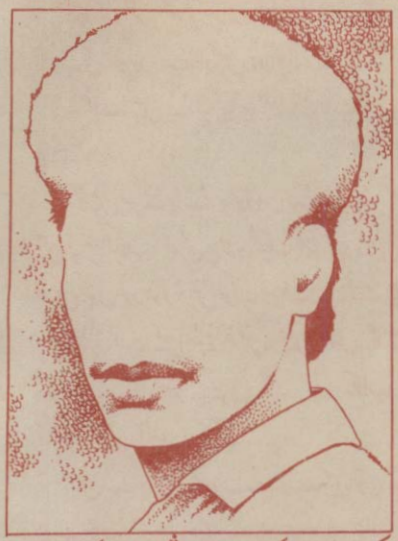

اس مقابلے میں ہم ہر ماہ کسی ایک ہی شعبے سے تعلق رکھنے والی، دنیا کی دو معروف شخصیات کے ادھورے خاکے شائع کریں گے۔ آپ کو اِن شخصیات کو پہچاننا ہے اور ان کی وجہِ شہرت بتانا ہے۔ آپ کی معلومات میں اضافے کے لئے آئندہ ماہ ہم صحیح جوابات کے ساتھ ان لوگوں کے مختصر حالاتِ زندگی بھی شائع کریں گے۔

بالکل صحیح جواب دینے والے ساتھی کو ایک سال کے لئے ماہنامہ آنکھ مچولی مفت ارسال کیا جائے گا۔ ایک سے زیادہ درست جواب ہونے کی صورت میں فیصلہ بذریعہ قرعہ اندازی کیا جائے گا۔ مقابلے میں شرکت کی شرائط مندرجہ ذیل ہیں:

- جوابات الگ کاغذ پر، صاف صاف لکھے ہوں۔
- ہر ماہ کی دس تاریخ تک ادارہ کو ہو صول ہو جائیں۔
- جوابات کے ساتھ بھیجنے والے کا مکمل پتا ضرور ہو۔

ان تین شرطوں میں سے کسی ایک بھی شرط کے پورا نہ ہونے پر جوابات کو مقابلے سے خارج کر دیا جائے گا۔

پتہ: انچارج انعامی مقابلہ۔ عکس ادھورے کیجئے پورے
ماہنامہ آنکھ مچولی، ۱۔ پی آئی بی کالونی، کراچی۔ ۷۴۸۰۰

گردن ہلائی اور کہا۔ "تم بہت خود غرض ہو اور خود غرض لوگ صرف اپنے لئے جیتے ہیں۔"

اتنا کہہ کر سنہری پرندہ پھڑ پھڑایا اور اُڑتا ہو تالاب کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

"اُف! میں نے یہ کیا کیا؟؟" تالاب غم سے چلّایا۔

"میں مرنے والے جانوروں کے لئے دو آنسو بھی نہ بہا سکا۔ سنہری پرندہ ٹھیک کہتا ہے میں خود غرض ہوں اور خود غرض لوگ صرف اپنے لئے جیتے ہیں لیکن اب میں خود غرض نہیں بنوں گا میں دوسروں کے لئے جیئوں گا۔" تالاب کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

اس کے دل پر سنہرے پرندے کی باتوں نے چوٹ لگا دی تھی۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑا اور اتنا رویا کہ کناروں تک پانی سے بھر گیا۔

جنگل کے بچے کھچے پیاسے جانور جب پیاس سے نڈھال اس کے قریب آئے تو پانی دیکھ کر خوشی سے چلّانے لگے اور اس کی آنکھوں سے بہنے والا پانی پینے لگے۔ جنوبی جنگل اور آس پاس کے جنگلوں کے جانوروں کو جلد ہی پتہ چل گیا کہ شمالی جنگل کا تالاب پانی سے بھر گیا ہے۔ چناں چہ وہ بھی جوق در جوق تالاب پر اپنی پیاس بجھانے آنے لگے۔ شام تک پیاسے جانوروں کا ہجوم تالاب پر جمع رہا اور جانوروں نے اتنا پانی پیا کہ تالاب آدھا رہ گیا۔

"آرام آرام سے پانی پیو ورنہ تالاب کل تک خالی ہو جائے گا۔" شیر نے جانوروں کو سمجھایا لیکن جانور ڈٹ کر پانی پیتے رہے اور دوسرے دن جب جانور تالاب پر آئے تو تالاب کل سے بھی زیادہ پانی سے بھرا ہوا تھا۔

جانور یہ دیکھ کر خوشی سے ناچنے گانے لگے۔ کالے ہاتھیوں نے اپنی سونڈوں میں پانی بھر لیا اور پیاسے پودوں اور درختوں میں پانی ڈالنے لگے۔ درختوں میں بھی جیسے جان آ گئی۔

تالاب جانوروں کی زندگی کی خاطر رونے لگا۔ وہ ہر روز روتا اور اتنا روتا کہ شام تک پانی سے لبالب بھر جاتا۔ تمام جانور خوب ڈٹ کر پانی پیتے، نہاتے اور ناچتے گاتے۔

زندگی کی رونقیں پانی کی وجہ سے لوٹنے لگیں تھیں، جانور خوشی کے گیت گانے لگے تھے اور پرندے چہکنے لگے تھے کچھ دنوں بعد بارش بھی ہو گئی اور جنگل ہرا بھرا ہو گیا۔

تالاب اب بہت خوش تھا۔ وہ پرندوں کی خوشیوں بھری چہکار اور جانوروں کے خوشیوں بھرے گیت سنتا۔ اسے کالے ہاتھیوں کی شرارتیں بھی محسوس ہوتیں اور سفید چڑیوں کا دلفریب شور بھی سنائی دیتا لیکن وہ اب سفید چڑیوں کو، جنگل کے جانوروں کو اور جنگل کے ہرے بھرے دلفریب نظاروں کو دیکھ نہیں سکتا تھا، کیوں کہ مسلسل رونے کی وجہ سے وہ اندھا ہو چکا تھا۔

کے جانور پیاس سے مرنے لگے اور جب کالے ہاتھیوں نے تالاب کے کنارے تڑپ تڑپ کر پیاس سے دم توڑا تو تالاب بہت اُداس تھا۔

"کاش میں ان کے لئے کچھ کر سکتا!!"

تالاب نے سوچا لیکن وہ کچھ بھی نہ کر سکا۔

جنگل میں پانی کا ایک چشمہ بھی تھا لیکن اس میں پانی بہت کم تھا۔ وہ پورے جنگل کے لئے ناکافی تھا۔ کچھ جانور جو ابھی تک زندہ تھے وہ اسی چشمے کے پانی کی وجہ سے اپنی بچی کھچی زندگی برقرار رکھے ہوئے تھے۔

جوں جوں دن گزرتے جا رہے تھے، جنگل کے جانور پیاس اور بھوک سے مرتے جا رہے تھے۔ پودے اور پھول بھی پانی نہ ہونے کی وجہ سے مُرجھانے لگے تھے۔ جنگل پر موت کا سناٹا چھانے لگا تھا۔ وہی جنگل جو سفید چڑیاؤں کی دلفریب چہکار اور کالے ہاتھیوں کی شریر آوازوں سے گونجتا رہتا تھا اب موت کے سناٹوں سے گونجنے لگا تھا۔

ایک صبح جب تالاب کے کنارے چھ، سات جانوروں نے پیاس سے تڑپ تڑپ کر دم توڑا اور تالاب سوائے افسوس کے کچھ نہ کر سکا تو اس نے اُداس ہو کر اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

اچانک اسے اپنے اوپر کسی پرندے کے پھڑپھڑانے کی آواز سنائی دی۔ تالاب نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو ایک سنہرے رنگ کا خوب صورت پرندہ اس کے کنارے بیٹھا اسے اپنی نیلی نیلی آنکھوں سے گھور رہا تھا۔ پرندہ جتنا خوب صورت تھا اس سے کہیں زیادہ خوب صورت اس کی آنکھیں تھیں۔ نیلی نیلی۔

"تم اس جنگل کے سب سے بڑے تالاب ہو؟" پرندے نے سوال کیا۔

"ہاں!" تالاب نے مختصر سے لہجے میں جواب دیا کیوں کہ وہ اس کی سحر انگیز آنکھوں میں کھویا ہوا تھا۔

"کیا تمہیں جنگل کے جانوروں سے محبت ہے؟" پرندے نے پھر پوچھا۔ تالاب نے جواب دیا۔ "ہاں! بہت!!"

"جب وہ پیاس سے مرتے ہیں تو تمہیں دُکھ تو ہوتا ہو گا؟"

"ہاں! بہت!!"

"کیا تم نے ان کی موت پر کبھی آنسو بہائے ہیں؟" پرندے نے پوچھا۔

"نہیں!" تالاب نے جواب دیا۔

"اس کا مطلب ہے تمہارا دل ان کی محبت سے خالی ہو چکا ہے۔ افسوس!" سنہرے پرندے نے کہا۔

"نہیں نہیں!! میں تو ان سے بہت محبت کرتا ہوں۔ میرا دل تو صرف پانی سے خالی ہوا ہے۔" تالاب گڑبڑا کر بولا۔ پرندے نے کہا۔

"تم اتنے بڑے تالاب ہو۔ اگر تم جانوروں کے دُکھ پر تھوڑے سے بھی آنسو بہا لیتے تو تمہارے آنسوؤں سے پانی جاری ہو جاتا اور جانور اس طرح پیاسے نہ مرتے۔" پھر پرندے نے اپنی

شروع کر دیتے۔ وہ پانی کا بے دریغ استعمال کرتے اور خوب پانی گراتے، بالکل اسی طرح جیسے شریر بچے پانی گراتے ہیں اور بھئی پانی کو فضول میں ضائع کرنا تو بُری بات ہے، ہے ناں بُری بات؟

آپ تو پانی فضول میں ضائع نہیں کرتے؟

نہیں ..... یہ بہت اچھی بات ہے۔

ہاں تو جناب! شمالی جنگل اور اس کے دور دراز پھیلے رقبے پر جب کئی دنوں تک بارش نہ ہوئی اور تیز گرمی پڑنے لگی تو دریاؤں اور جھیلوں کا پانی بھاپ بن کر اُڑنے لگا۔ جھیل اور نہریں آہستہ آہستہ پانی سے خالی ہونے لگیں۔

دریاؤں میں بھی پانی کم پڑ گیا اور جنگل کا جو بڑا سا تالاب تھا وہ بھی دھیرے دھیرے پانی سے خالی ہونے لگا۔

جنگل کے جانور جو گرمیوں میں تالاب کا ٹھنڈا میٹھا پانی پیتے اور اس ٹھنڈے پانی سے نہا کر فرحت محسوس کرتے تھے، اب نہا نہیں سکتے تھے صرف پانی پی سکتے تھے اور وہ بھی بہت ڈر ڈر کر، کیوں کہ تالاب کا پانی بڑی تیزی کے ساتھ ختم ہو رہا تھا۔

جنگل کے کالے ہاتھی جو گرمیوں میں کئی کئی بار نہانے اور پانی کو فضول میں گرانے کے عادی تھے، وہ بھی سخت پریشان تھے۔ پسینے کی وجہ سے ان کے جسم سے بُو پھوٹنے لگی تھی اور کئی دنوں سے نہ نہانے کی وجہ سے ان کے کالے جسم پر کالا میل جمنے لگا تھا۔

شمالی جنگل کے تالاب کا دل بہت بڑا تھا۔ اس کے دل میں جنگل کے جانوروں کے لئے بڑی محبت اور بہت پانی تھا لیکن اب پانی کم ہو رہا تھا اور اس کی محبت بھی خشک ہونے لگی تھی۔

تالاب خود پانی کی کمی کی وجہ سے پریشان تھا۔ وہ سوچنے لگا "جب پانی بالکل ختم ہو جائے گا تو پھر جنگل کے جانور اپنی پیاس کس طرح بجھائیں گے؟ پانی نہ ملا تو وہ پیاس سے مر جائیں گے!!"

اور پھر وہ تکلیف دہ وقت بھی آن پہنچا جب تالاب میں پانی بالکل ہی ختم ہو گیا۔ سفید چڑیاؤں کے جھنڈ کے جھنڈ جب پانی پینے تالاب پر اُترے تو پیاس کے مارے ہانپ رہے تھے اور جب انہوں نے تالاب کو پانی سے خالی پایا تو پیاس سے بے چین ہو کر تالاب پر اُڑنے لگے اور پھر اتنے نڈھال ہوئے کہ تالاب کے دلدلی سینے پر گر پڑے اور پیاس سے تڑپ تڑپ کر جان دے دی۔

تالاب کو سفید چڑیاؤں کے مرنے کا بے حد دُکھ ہوا لیکن بھلا وہ کیا کر سکتا تھا؟ وہ بے چارہ مجبور تھا۔

سفید چڑیاؤں کے مرنے کے بعد تالاب کی مچھلیوں کی باری آئی۔ گیلی اور نم دار دلدل میں وہ کچھ محفوظ تھیں لیکن دھوپ اور گرمی کی شدت سے جب گیلی اور نم دار دلدل بھی خشک ہو گئی تو مچھلیاں تڑپ تڑپ کر، سسک سسک کر مرنے لگیں اور تالاب بڑی بے بسی کے ساتھ انہیں بھی مرتا دیکھتا رہا۔

مچھلیوں کے مرنے کے بعد آہستہ آہستہ جنگل

تالاب کے آنسو

محمد عمر احمد خان

ایک بار ایسا ہوا کہ برسات کا موسم نہیں آیا اور اتنی شدید گرمی پڑی کہ جھیلوں، دریاؤں اور تالابوں میں پانی کم ہو گیا۔ پانی کم ہونے کی وجہ سے کھیتیاں اُجڑنے لگیں، پودے مُرجھانے لگے۔ سب سے زیادہ بُری حالت شمالی جنگل کے جانوروں کی ہوئی۔

شمالی جنگل کئی ایکڑ رقبے پر پھیلا ہوا تھا اور اس میں قسم قسم کے جانور رہتے تھے۔ شیر، چیتا، بھالو، بندر، ہاتھی، زرافہ، لکڑ بھگا، لومڑی، گینڈا، ہرن، ہُدہُد، جنگلی کبوتر اور سفید چڑیائیں وغیرہ۔

اس جنگل میں سب سے زیادہ تعداد سفید چڑیاؤں کی تھی۔ ان کے جُھنڈ کے جُھنڈ درختوں پر شور مچاتے تھے۔ پورا جنگل ان کی دلفریب آوازوں سے گونجتا رہتا۔

شمالی جنگل میں ایک ہی تالاب تھا لیکن یہ اتنا بڑا تھا کہ جنگل کے تمام جانوروں کے لئے کافی تھا۔ تمام جانور اسی تالاب پر پانی پینے آتے اور اپنی پیاس بُجھاتے۔

جنگل کے کالے ہاتھیوں کو نہانے کا بے حد شوق تھا۔ وہ جب بھی تالاب پر پانی پینے آتے تو نہانے لگ جاتے۔ شرارتی تو وہ تھے ہی، چناں چہ سُونڈوں میں پانی بھرتے اور ایک دوسرے پر پھینکتا

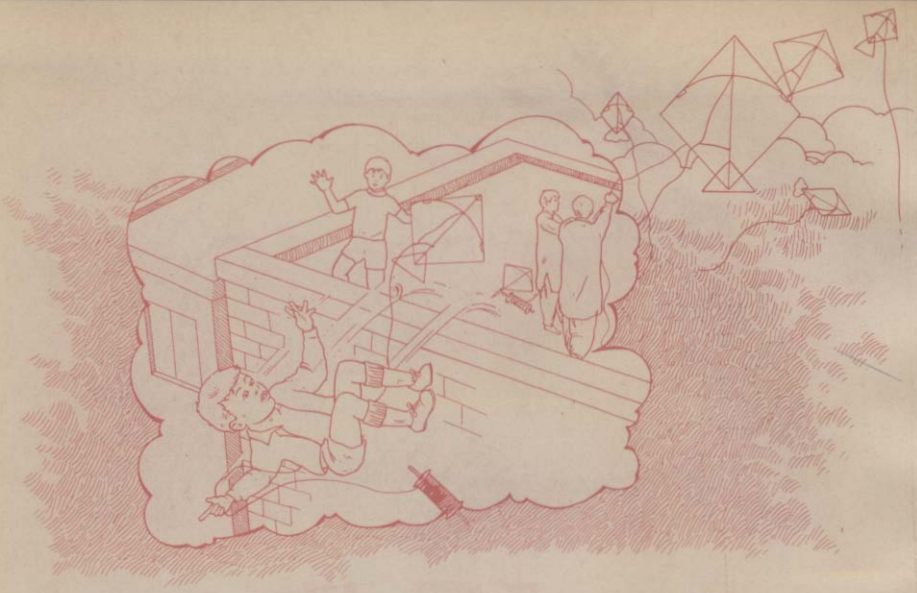

پتنگ

ناصر علی منصوری

اڑاتے تھے کل چند لڑکے پتنگ
کہ ہونے لگی دو پتنگوں میں جنگ

کسی کو گھمنڈ اپنے مانجھے پہ تھا
کوئی ان میں استاد تھا ڈھیل کا

کبھی ڈھیل دیتے کبھی کھینچتے
کبھی ساتھ والوں سے تھے مشورے

غرض ہو رہی تھی یونہی کھینچ تان
کہ ان میں سے کھینچی جو اک نے کمان

وہ اس کھینچا تانی میں پیچھے ہٹا
یہاں تک کہ کوٹھے سے نیچے گرا

گرا اور گرتے ہی سر پھٹ گیا
پتنگیں اڑانے کا پھل مل گیا

گر چاہتے ہو کہ تم خوش جیو
سدا ایسے کھیلو سے بچتے رہو

"نیسی" اور پاکستان میں "سنہری" کہا جاتا ہے یعنی سنہری پری۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آج کل پریاں کہاں رہتی ہیں؟ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آج کی دنیا کے شور و غل اور آلودگی نے انہیں دور بھگا دیا ہے۔ بہت سے بڑی عمر کے لوگوں کا خیال ہے کہ پریوں کا کبھی وجود نہیں تھا۔ لیکن شاید اگر ہم اپنے سیارے کو گندگی سے صاف کر لیں، شور و غل سے پاک کر لیں اور پھر غور سے، ان کی آواز سننے کی کوشش کریں تو ....

جو لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ انہوں نے انہیں دیکھا ہے وہ بتاتے ہیں کہ Pixies کے بال سرخ ہوتے ہیں، مڑی ہوئی ناکیں ہوتی ہیں، ابھری ہوئی آنکھیں، بڑا چوڑا دہانہ اور گنجی شکل Pixies ایک ہاتھ لمبی ہوتی ہیں اور بڑی سے بڑی پیکسی ایک بالغ آدمی کے برابر ہو سکتی ہے۔ وہ انسانوں کے ساتھ دھوکہ بازی کرتی ہیں اس لئے بعض لوگ ان سے دوستانہ تعلقات رکھنے کے قائل ہیں۔ بعض جگہ کسان پودوں میں پانی بھر دیتے ہیں تاکہ Pix-ies اپنے بچوں کو نہلا سکیں لیکن یہ سب کچھ ان لوگوں کا وہم بھی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ سائنس کی ترقی کی وجہ سے انسان کی عقل بہت تیز ہو گئی ہے اور وہ صرف ایسی ہی باتوں پہ یقین رکھتا ہے جو اس کی عقل میں سما سکیں۔

■

دنیا بھر کے اردو خواں بچوں کا منفرد ماہنامہ

اچھے ساتھی کراچی

مرتبین

اسما ہارون، منور سلطانہ فاروقی، شکیلہ طارق بی اے

اِن شاء اللہ، بہت جلد شائع ہو رہا ہے

- ہمارے آس پاس کے ماحول کی جیتی جاگتی، سچی بااخلاق کہانیاں۔
- ہنستی بولتی، پیاری پیاری نظمیں۔
- دل چسپ، نوک جھوک چٹ پٹے مہذب لطیفے، مسکراہٹوں بھرے کارٹون۔
- آنے والے کل کے ممتاز ادیبوں کی لکھی گئی شگفتہ شگفتہ تحریریں۔ آج کے ننھے ادیبوں کے جادوئی قلم سے۔
- ورق ورق۔ علم و ادب کا سدا بہار گل دستہ!
- طلباء و طالبات کے ذہنی اُفق کو تابناکی بخشنے اور جلا دینے والے علمی و معلوماتی، انوکھے۔ بلا فیس انعامی مقابلے! انعام یافتگان کے پورے پتے شائع ہوں گے۔

قرعہ اندازی کسی صورت میں بھی نہیں ہو گی

- پاکستان بھر میں سب سے پہلا امتیازی قدم ۔ ذہین اور محنتی طلباء و طالبات کے لئے سہ ماہی اور شش ماہی وظائف کی پیش کش!!
- 50% بچت کی رعایتی اسکیم | سالانہ خریدار بننے کا نادر موقع۔

سالانہ زرِ تعاون مبلغ 100 روپے کے بجائے صرف 50 روپے میں سالانہ خریداری کا اجراء۔ رسالہ ہر ماہ گھر بیٹھے آپ کو سال بھر تک ملتا رہے گا۔ یہ رعایتی اسکیم بہت محدود مدت تک کے لیے جاری کی گئی ہے۔

- آج ہی سالانہ خریداروں میں اپنا نام لکھوائیں اور اچھے ساتھی کی ٹیم بن جائیں۔

پتا

C-25 گلشن رفیع، جامعہ ملیہ، ملیر، کراچی۔ 43 پوسٹ کوڈ 75210

تحریر: نہدیہ حسنی

کیا اس دنیا میں دیو پائے جاتے ہیں یا کوئی جزیرہ ایسا ہے جہاں پریاں رہتی ہوں؟ یہ سوال کسی سے بھی کیا جائے جواب یہی آئے گا کہ معلوم نہیں لیکن بچپن میں ہم نے ان کی کہانیاں پڑھی ضرور ہیں۔ دنیا بھر میں بچوں کے لئے جتنی کہانیاں لکھی گئی ہیں ان میں ایسے کردار ضرور ملتے ہیں۔ اردو میں "طلسم ہوش ربا" اور عربی میں "الف لیلہ" کی کہانیوں میں یہ سارے عجیب و غریب کردار پائے جاتے ہیں۔ لیکن ان کرداروں کے علاوہ بھی کہانیوں میں ایک ننھی منی مخلوق ہوتی ہے جنہیں اردو میں "بچے کلوے" کہا جاتا ہے۔ یہ چھوٹے قد کی بالکل بچوں جیسی مخلوق ہوتی ہے جن میں جادوئی قوت ہوتی ہے۔ ایک فنکار نے اس مخلوق کی جو تصویریں بنائی ہے انہیں آپ ساتھ کے صفحے پر دیکھ سکتے ہیں۔

دنیا کے کئی حصوں میں خصوصاً شمال مغربی یورپ کے لوگ عرصے سے یقین رکھتے ہیں کہ اس قسم کی مخلوق واقعی موجود ہے۔ انگریزی بولنے والے انہیں عام طور پر فیریز (پریاں) کے نام سے پکارتے ہیں۔

کچھ پریاں جن کو انگریزی میں Pixies کہتے ہیں ان کے بارے میں خیال ہے کہ وہ گروہوں کی شکل میں رہتی ہیں اور ہمیشہ جنگلات، پہاڑوں، پانی اور ہوا میں قیام کرتی ہیں جبکہ دوسری قسم کی پریاں جن کو "ہوبگوبنس" کہتے ہیں تنہائی پسند ہوتی ہیں۔ یہ گھروں اور غلہ کے گوداموں میں انسانوں سے نزدیک تر رہتی ہیں۔

داستانوں کے مطابق یہ پریاں موٹی یا دبلی ہو سکتی ہیں۔ یہ بھلائی کے کام بھی کرتی ہیں اور شر انگیزی بھی، لیکن ان سب میں ایک مشترک طاقت ہوتی ہے جسے "پری شان" کہا جاسکتا ہے۔ اس طاقت کے ذریعے پریاں انسانوں کے دیکھنے کی طاقت اور ان کے تجربات میں ردو بدل کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ اسی طاقت کی وجہ سے پریوں میں یہ خاصیت ہوتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو انسانوں کی نظروں سے اوجھل رکھ سکیں۔

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ بعض پریاں ان کی مدد کرتی ہیں اور انہیں تحفے دیتی ہیں۔ جبکہ دوسری قسم کی پریاں انہیں چکمے دیتی یا نقصان پہنچاتی ہیں۔ پریاں انسانوں کی شکل بھی اختیار کرلیتی ہیں اور اس طرح انسان کے بچوں کو پریوں کے بچوں سے بدل لیتی ہیں۔

آج کل ہم پریوں سے متعلق جو کچھ بھی جانتے ہیں وہ ان لوگوں کی وجہ سے ہے جو ان کے وجود پر یقین رکھتے تھے اور صدیوں سے ان کی کہانیاں سناتے چلے آتے ہیں۔ نسل در نسل یہ کہانیاں منتقل ہوتی رہیں اور مختلف تبدیلیوں کے ساتھ آہستہ آہستہ لوک کہانیاں بن گئیں۔ جیسے جیسے کہانیوں کے کہنے کے دوران تفصیل میں تبدیلیاں پیدا ہوتی گئیں ان میں رنگا رنگی آگئی۔ اس لئے اب ایک قسم کی پری کو اسکاٹ لینڈ میں "براؤنی" کہا جاتا ہے تو انگلستان میں "ہوبگوبلن"۔ ناروے میں

Leprechaun
میں استری کا مستری نہیں
پورا مکینک ہوں
GREMLINS
اکثر ایسا ہوتا ہے
جو سوتا ہے وہ کھوتا ہے
HOBGOBLIN
اکیلا ہی کھا لوں
یا اس کو جگا لوں
بوئے بے چارے
قسمت کے مارے
نکلے ہیں گھر سے
سردی کے ڈر سے

چیتا چشمے بیچارہ!

لندن کے اس چیتے کے دانتوں میں سخت تکلیف ہے کیونکہ یہ رات کو سوتے وقت برش نہیں کرتا تھا جس کی وجہ سے اس کے دانت خراب ہو گئے۔ دندان ساز ڈاکٹر پیٹر کرٹز اس کے دانتوں کا معائنہ کر رہے ہیں۔ اسی لئے امی ابو کہتے ہیں کہ بچوں کو اپنے دانتوں کی صفائی کا ہمیشہ خیال رکھنا چاہئے۔ ★

لو ایسی شرافت سے ہم باز آئے!

سوال۔ ہمیں چھینکیں کیوں آتی ہیں؟

محمد فرقان شیر۔ رحیم یار خان۔

جواب۔ ہماری ناک کے اندرونی حصّے میں سفید رنگ کی جھلّی پائی جاتی ہے۔ اگر کسی بھی سبب کے باعث یہ جھلّی متورم ہو جائے یا اس میں خارش ہو تو ہمیں چھینکیں آنا شروع ہو جاتی ہیں۔ آپ نے محسوس کیا ہو گا کہ ایسے ماحول میں جہاں بہت تیز قسم کی بُو (مثلاً مرچوں اور مصالحہ جات کی دھانس) ہو وہاں فوراً ہی چھینکوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ کچھ لوگوں کو ہم نے اکثر متواتر تابڑ توڑ چھینکیں مارتے ہوئے دیکھا ہے۔ عموماً ایسے لوگ کسی الرجی کا شکار ہوتے ہیں۔

سوال۔ کینسر کیا ہے، اور یہ کس طرح پیدا ہوتا ہے؟

مجیب الدین۔ کراچی

جواب۔ ہم آپ کو اکثر بتاتے رہتے ہیں کہ انسانی جسم بے شمار چھوٹے چھوٹے خلیات سے مل کر بنا ہے۔ بعض حالات میں جسم کے کسی مخصوص حصّے میں خلیات کے بڑھنے کی رفتار غیر معمولی ہو جاتی ہے اور یہ تیزی سے بڑھنے لگتے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ ان کی ساخت بھی معمول سے ہٹ کر ہو جاتی ہے۔ رفتہ رفتہ تیزی سے بڑھتے ہوئے خلیات جسم کے دیگر حصّوں کو ان کے کام کی بجا آوری سے روکنے لگتے ہیں۔ خلیات کے اس غیر معمولی عمل کو کینسر یا سرطان کہتے ہیں۔

عموماً سرطان شدہ خلیات جسم میں ایک گٹھلی یا رسولی کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ اگر خوش قسمتی سے مرض کی شروعات ہی میں تشخیص ہو جائے تو بعض اوقات آپریشن کے ذریعے سرطان شدہ رسولی کو نکال دیا جاتا ہے۔ کچھ حالات میں شعاعوں کے ذریعے رسولی کو ختم کر دیا جاتا ہے۔

اگر شروع میں مرض کی تشخیص نہ ہو سکے تو سرطان شدہ خلیات خون میں شامل ہو کر جسم کے دیگر حصّوں پر حملہ آور ہو سکتے ہیں۔ سرطان کے لئے جسم کے کسی خاص حصّے کی قید نہیں۔ پھیپھڑوں، ہڈیوں، جگر، آنتوں، گردوں، خون یا جلد، یہ کہیں پر بھی اپنا گھر بنا سکتا ہے۔ یہ کیوں شروع ہوتا ہے؟ اس کا کوئی حتمی جواب دینا فی الحال ممکن نہیں۔ لیکن مختلف اسباب سے اس کا تعلق جوڑا جا سکتا ہے۔ مثلاً ڈاکٹروں اور ماہرینِ طب کی متفقہ رائے میں سگریٹ نوشی کا بہت گہرا تعلق حلق، سانس کی نالی اور پھیپھڑوں کے سرطان کے ساتھ ہے۔ اس کے علاوہ ماحول کی بڑھتی ہوئی آلودگی بھی سرطان کے پھیلاؤ کا سبب مانی جاتی ہے۔ اسی طرح تیز دھوپ میں بہت دیر تک رہنا بھی جلد کے سرطان کا سبب بن سکتا ہے۔ خاص طور پر سفید چمڑی والے لوگوں کو احتیاط کی ضرورت ہے کیوں کہ ان کی جلد زیادہ حساس ہوتی ہے۔

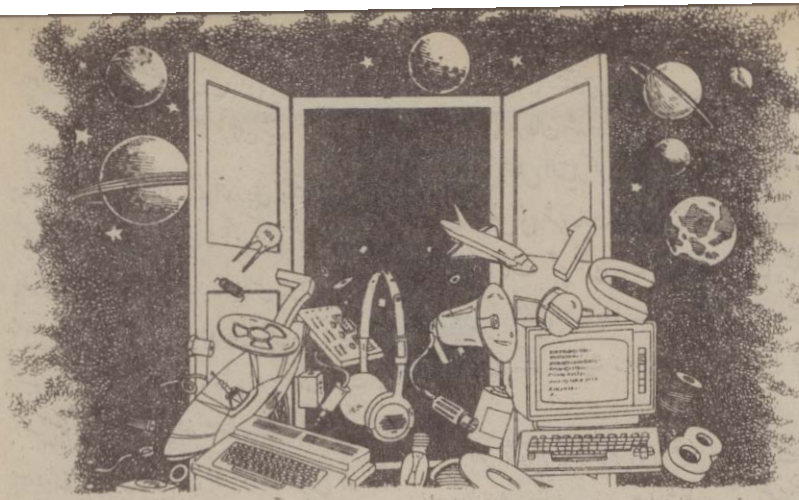

دردِ حیرت

سائنسی موضوعات پر سوال و جواب کا سلسلہ

ایاز محمود

سوال۔ کیا وجہ ہے کہ پہاڑی علاقوں میں پانی کم درجۂ حرارت پر اُبلتا ہے۔

شاہانہ قمر۔ فیصل آباد

جواب۔ آپ نے اچھا سوال کیا۔ پانی کا نقطۂ جوش (وہ درجۂ حرارت جب پانی اُبلنے لگتا ہے) مختلف مقامات پر مختلف ہو سکتا ہے۔ پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ نقطۂ جوش ہے کیا۔ نقطۂ جوش دراصل وہ درجۂ حرارت ہے جب پانی کے بخارات کا دباؤ بیرونی مقامی دباؤ کے برابر ہو جاتا ہے۔ لہٰذا بیرونی دباؤ جتنا کم ہو گا، پانی کا نقطۂ جوش بھی اسی لحاظ سے کم ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ چونکہ پہاڑوں پر فضائی دباؤ سطح سمندر کی نسبت سے کم ہوتا ہے، وہاں پانی کم درجۂ حرارت پر ہی اُبلنے لگتا ہے۔

پریشر ککر میں کھانا جلدی پک جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں ایسا انتظام ہوتا ہے کہ بھاپ آہستہ آہستہ ہی برتن سے نکل پاتی ہے۔ لہٰذا برتن کے اندر کا دباؤ بڑھ جاتا ہے اور اس عمل سے پانی کا نقطۂ جوش بھی زیادہ ہو جاتا ہے۔..... ..... پریشر ککر میں پانی کا نقطۂ جوش ۱۲۰ درجۂ سینٹی گریڈ تک بڑھایا جا سکتا ہے جس کی وجہ سے کھانا جلدی پک جاتا ہے۔

پہاڑی علاقوں میں چونکہ کھانا نسبتاً دیر سے پکتا ہے یہاں پریشر ککر کا استعمال خاص طور پر مفید ثابت ہوتا ہے۔

کی طشتریاں دیکھی گئی ہیں اور ان میں سے بعض اپنا رنگ بھی تبدیل کر سکتی تھیں۔ یہ ہر سمت میں حرکت کر سکتی ہیں۔ دائیں بائیں، اوپر، نیچے اور لہراتی ہوئی۔ یہ ہوا میں ساکن بھی ہو جاتی ہیں اور سیٹی جیسی یا گرج کی آوازیں پیدا کرتی ہیں۔

جب امریکی فضائیہ نے اڑن طشتریوں کے متعلق چھان بین شروع کی تو انہیں پتہ چلا کہ یہ محض لوگوں کا تصور نہیں تھا۔ ہر شخص جس نے اڑن طشتریوں کے متعلق رپورٹ کی تھی کچھ نہ کچھ دیکھا تھا لیکن کیا؟

کچھ کیسوں میں یہ موسمی غبارہ ثابت ہوا بعض مصنوعی سیارے، بادل، ستارہ، کوئی پرندہ، سیارہ یا محض آتشبازی نکلے۔ کچھ تصورات سورج کی شعاؤں کے برف پر پڑنے سے پیدا ہوئے۔ اڑن طشتریوں کی بعض کہانیاں آسمانی بجلی سے پیدا ہونے والی مختلف شکلوں پر مبنی تھیں۔ اگر اڑن طشتریاں واقعی خلائی جہاز ہوتے تو ان رپورٹوں میں کہیں نہ کہیں کوئی مماثلت ہوتی لیکن ایسی کوئی بات نہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں نے خلائی جہاز نہیں بلکہ کئی اور دوسری چیزیں دیکھی ہیں۔ چنانچہ سائنسدانوں کا خیال ہے کہ ایسی کوئی شہادت موجود نہیں کہ دوسری دنیا سے کچھ ملاقاتی ہماری دنیا پر آئے ہیں یا ہمیں دیکھا جا رہا ہے یا کوئی دوسری دنیا کی ذہین مخلوق ہم پر حملہ کرنے والی ہے۔

خلیل جبران نے کہا۔

۱..... یہ انسان کے بس کی بات نہیں کہ وہ ایک ہی پیالے میں دانشوری کی تمام شراب بھر دے جو دنیا کے بہت سے پیالوں میں موجود ہے۔

۲..... جب کوئی شخص تیرے ایسے گناہ کو معاف کر دے جس کا تو مرتکب نہیں ہوا تو اس کا اپنا ایک گناہ معاف ہو جاتا ہے جس کا اس نے ارتکاب نہیں کیا۔

۳..... اقوال بے معنی ہیں جب تک یہ عادت پر اثر انداز نہ ہوں۔

۴..... غلام بادشاہوں کا عیب ہیں۔

۵..... وہ ہاتھ جو کانٹوں کے تاج تیار کرتے ہیں ان ہاتھوں سے کہیں بہتر ہیں جو کچھ بھی نہیں کرتے۔

۶..... جس چیز کو پا لینے کی ہمیں آرزو ہے لیکن ہم اسے نہیں پا سکتے وہ یقیناً اس چیز سے زیادہ پر کشش ہوتی ہے جو ہمارے قبضے میں ہے۔

۷..... اس شخص کی حالت نہایت قابل رحم ہے جس کے خوابوں کی تعبیر صرف سیم و زر ہے۔

مرسلہ:۔ قراۃ العین عزیز، حافظ آباد

تاریخ کے حیرت انگیز ڈوئل مقابلے

مارسیلز (فرانس) کے ہنری ٹریگنے ۱۸۷۸ء ..... ۱۸۶۲ء نے ڈوئل کی پانچ لڑائیاں لڑیں۔

دونوں کی ان پانچ لڑائیوں میں سے پہلی چار لڑائیوں میں اس کا ہر حریف کوئی فائر ہونے سے پہلے ہی مر جاتا۔ پانچویں لڑائی میں ٹریگنے بھی اسی صورتحال سے دوچار ہوا اور اس سے پہلے کے وہ یا حریف کوئی گولی چلاتا، وہ ہمیشہ کی نیند سو گیا۔

یو ایف او کیا ہے؟

نگہت ارجمند

ان کا مشہور نام "اڑن طشتریاں" ہے۔ یو ایف او کا مطلب ہے "نامعلوم اڑنے والی چیز۔" کیا واقعی ان کا وجود ہے؟ اس کے متعلق بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں اور بہت سے لوگوں نے دعویٰ کیا ہے کہ انہوں نے اڑن طشتریاں دیکھی ہیں کچھ نے تو ان کے فوٹو اتارنے کا دعویٰ بھی کیا ہے اور اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ سائنس کی تحقیقات ان کے متعلق کیا کہتی ہیں۔ اب بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو اس پر یقین رکھتے ہیں کہ ان کا وجود ہے۔

طشتریوں کے مطالعے سے معلوم ہوا ہے کہ یہ ایک دوسرے سے کافی مختلف ہوتی ہیں کچھ لوگوں نے سپاٹ طشتریاں دیکھنے کا دعویٰ کیا ہے اور دوسروں نے انہیں گول، سگار کی شکل یا کرۂ نما شکل میں دیکھا ہے۔ ان کے رنگ بھی سائز کی طرح مختلف ہوتے ہیں۔ تقریباً ہر رنگ

نظر آنے لگے۔ بزرگ نے شفقت کا ہاتھ بلند کیا اور سب کو اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھنے کے لئے کہا۔

"دیکھو نوجوان عالمو اور مستقبل کے دانش ورو! ..... کسی بھی بات پر تمہاری رائے تمام دنیا کی رائے سے ممتاز ہونی چاہئے۔ تم لوگ عالم ہو..... عام آدمیوں سے بہت بلند۔ تمہاری نظر بہت تیز ہونی چاہئے۔ تمہیں اپنے اندر چیزوں کے آر پار دیکھ لینے والی نظر پیدا کرنی چاہئے۔ حقیقت کبھی بھی سامنے نہیں ہوتی ..... بلکہ پردوں میں چھپی ہوئی ہوتی ہے۔ ان ہی پردوں کو چیرنے والی نظر کی ضرورت ہے ..... یہ بڑی محنت، بڑی ریاضت کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ اب اسی اجنبی کو دیکھو ..... جو بظاہر ہر لحاظ سے گدھا نظر آرہا ہے۔ ..... مگر اس کی ایک غیر شعوری حرکت کی وجہ سے میں نے اسے پہچان لیا ہے۔ تم اسے گدھا کہتے ہو ..... میں کہتا ہوں یہ بہت چالاک آدمی ہے۔ اس نے تم سب کو چکر دے دیا ہے۔ یہ تو صرف میری نظر ہے جو اس کے بھید کو جان گئی ہے۔" ..... فاتحانہ مسکراہٹ سے چاروں طرف دیکھتے ہوئے بزرگ دانش ور ایک بار پھر گویا ہوئے۔ "انسان اشرف المخلوقات ہے۔ اسے دوسرے حیوانوں سے الگ اور ممتاز کرنے والی تین چیزیں ہیں۔ اس کی عقل، اس کی زبان اور اس کا دو ٹانگوں پر چلنا۔ تم لوگوں نے غور کیا یہ اجنبی تمہارے سامنے دو ٹانگوں پر کھڑا ہے۔ اس کی عقل مندی دیکھو کہ گدھا بن کر تم سب کو الو بنا دیا۔ یہ یقیناً باتیں بھی کرتا ہوگا لیکن اگر یہ گونگا بھی ہو تو تین میں سے دو خوبیاں تو ظاہر ہو چکی ہیں۔

بتاؤ کیا اب بھی تم اسے گدھا کہو گے ..... نہیں حضرات یہ تو مکمل انسان ہے۔"

سب لوگ اس مدلل گفتگو سے متاثر ہوئے۔

میں کچھ زیادہ ہی ہوا۔ دل میں سوچا کہ اس محفل میں بس ہم دو ہی دانش ور ہیں۔ باقی سب گدھے ہیں۔ انہیں تو چاہئے کہ بھوندو کے تھان سے جا بندھیں۔ میں اکڑتا ہوا گیا اور اس صاحب نظر بزرگ کے برابر میں اپنی نشست پر جا بیٹھا۔

اقوال زریں:

○ ..... قرآن ایک ایسا دریچہ ہے۔ جس سے ہم اگلی دنیا کو دیکھ سکتے ہیں (امام احمد حنبلؒ)

○ ..... جمہوریت ایک طرز حکومت ہے جس میں بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

(علامہ اقبال)

○ ..... آزادی کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔

(لیاقت علی خان)

○ ..... انسان پاگل ہے وہ ایک پتا یا چیونٹی تو بنا نہیں سکتا مگر بیسیوں خدا بنا لیتا ہے۔

(جارج برنارڈ شاہ)

○ ..... بری کتابیں روح کو مار ڈالتی ہیں۔

(ٹالسٹائی)

مرسلہ: زرین اختر، کراچی

اور سوچتی ہوئی نظروں سے مجھے دیکھنے لگا۔ پھر اس نے آنکھیں بند کر لیں اور ہلکے سے بڑبڑایا۔

"مسئلہ کچھ ٹیڑھا ہے۔"

دوسرے تمام لوگ مجھے بھول کر بزرگ دانش ور کو دیکھنے لگے۔ ..... ان کے چہرے سوالیہ نشان بن گئے تھے۔ بزرگ دانش ور نے تھوڑی دیر تک آنکھیں بند رکھیں۔ پھر کھولیں اور مسکرا کر حاضرین کو دیکھا۔

"نوجوان! ..... تم کیوں اس اجنبی پر برہم ہو رہے تھے؟" وہ بولے۔

"جناب یہ سیانوں کی محفل ہے..... اور ہم اس اہم مسئلے پر غور کر رہے تھے کہ اس بار فصل کو ٹڈی دل کے حملے سے کیسے بچایا جائے ..... کہ یہ گدھا بغیر اجازت اندر آگیا..... اس نے ہماری توجہ کو بٹا دیا ہے۔ یہ یقیناً بڑا جرم ہے۔"

"برخوردار!" بزرگ نے کچھ پریشان لہجے میں کہا۔ "بڑی تشویش کی بات ہے کہ تمہیں یہ تک معلوم نہیں کہ گدھے کبھی کسی بات کی اجازت نہیں لیتے ..... لیکن اس سے زیادہ تشویش ناک بات یہ ہے کہ تم نے بلا سوچے سمجھے اس اجنبی کو گدھا کیوں کہہ دیا۔ دانش وروں کا یہ کام نہیں کہ وہ بغیر غور و خوض کئے کسی مسئلے پر اپنا فیصلہ سنا دیں۔"

"لیکن جناب! یہ تو پورا کا پورا گدھا ہے..... بالکل مکمل!" حیرت زدہ لہجے میں کہا گیا۔

"کیسے!! ..... تم نے یہ حکم کیسے لگا دیا؟"

"دیکھئے بالکل سامنے کی بات ہے۔ یہ ہر لحاظ سے ایک گدھا ہی ہے۔" حیرت برقرار تھی۔

"سامنے کی بات پر فیصلے عام آدمی کیا کرتے ہیں ..... عالم کا کام ہے کہ وہ ایسی باتیں دیکھے جنہیں عام نظریں تلاش نہیں کر سکتیں مثلاً اسی اجنبی کے بارے میں میرا خیال ہے کہ یہ گدھا نہیں ہے، بلکہ انسان ہے۔"

جی!!! لیکن....." سب سیانے مارے حیرت کے اچھل پڑے تھے۔ وہ میرے قریب آکر اور مجھے چھو کر دیکھ رہے تھے۔ انہیں اپنی آنکھوں اور ہاتھوں کی مدد سے جو کچھ محسوس ہوا وہ یہی تھا کہ میں ایک مکمل گدھا ہوں ..... مگر بزرگ دانش ور کی بات سے انکار کرنے کی کسی میں جرأت نہیں تھی ..... آخر نوکری کا معاملہ تھا۔ وہی نوجوان اپنی نوکری کو داؤ پر لگا کر بولا۔

"جناب میرا محدود علم اور میرے حواس خمسہ اس اجنبی کے بارے میں مجھے یہی خبر دے رہے ہیں کہ یہ ایک....."

"اُوں ہوں ..... فیصلہ نہیں ..... فیصلہ نہیں ..... ذرا غور کرو ..... سوچو ..... کوئی نہ کوئی بات ضرور سمجھ میں آجائے گی۔" فاتحانہ مسکراہٹ چہرے پر سجائے اور قلم کی دُم کو منہ میں دبائے بزرگ دانش ور ایک ایک کا چہرہ پڑھ رہے تھے۔ کافی دیر تک غور و خوض کرنے کے بعد بھی جب کسی کی سمجھ میں کچھ نہ آیا تو وہ ہاتھ باندھ کر بزرگ کے سامنے کھڑے ہو گئے اور اپنی کم علمی پر شرمندہ

کرتا تھا۔ لیکن آج کل یہ بستی کے سیانے لوگوں کا ڈیرا تھا۔ چوہدری اچھا آدمی تھا۔ گاؤں کی بہتری کے لئے نت نئے کام کرتا رہتا تھا۔ یہ حویلی بھی اس نے سیانوں کے حوالے اس لئے کی تھی تاکہ یہ عقل مند لوگ یہاں فرصت سے بیٹھ کر ایسی ترکیبیں اور ایسے کام سوچیں جن سے گاؤں کے لوگوں کا بھلا ہو۔ ان کی فصلیں اچھی ہوں۔ ان کے گھر بار اچھے ہوں۔ ان کے بچے آسانی سے تعلیم حاصل کر سکیں۔ سب لوگ خوش رہیں اور ان کا گاؤں دوسرے گاؤوں سے خوشحال ہو۔ اس حویلی میں عام لوگوں کا داخلہ منع تھا۔ بلکہ لوگ اس کے قریب سے گزرتے بھی نہیں تھے۔ اور اگر کبھی گزرتے بھی تھے تو اپنی آوازیں بالکل بند کر لیتے تھے، تاکہ سیانوں کی سوچ متاثر نہ ہو۔ میں بھی بھوندو کے ساتھ کپڑوں کے گٹھڑ اٹھائے کئی بار یہاں سے گزرا تھا۔ بار ہا دل میں خیال آیا کہ ذرا دیکھوں تو سیانے سوچتے کیسے ہیں، مگر بھوندو نے جانے ہی نہیں دیا۔ آج موسم اچھا تھا اور میں فل تفریح کے موڈ میں۔ کوئی روکنے والا بھی نہیں تھا۔ بس فوراً حویلی میں گھس گیا۔ ایک بڑے سے کمرے میں وہ سب لوگ سر جھکائے کرسیوں پر بیٹھے تھے۔ مجھے شرارت سوجھی۔ آدمیوں کی طرح دو ٹانگوں پر چل کر میں کمرے کے اندر گیا اور ان کے قریب جا کھڑا ہوا۔ کسی نے بھی مجھ پر توجہ نہیں دی۔ سب آنکھیں بند کئے سوچوں میں گم بیٹھے رہے۔ تھوڑی دیر گزری تو میں اپنی موجودگی کا احساس دلانے کے لئے کھنکھارا۔ کمرے کی قبر جیسی خاموشی میں یہ کھنکھار بھی بم کا دھماکہ معلوم ہوئی۔ وہ سب ہڑبڑا کر زور سے اپنی اپنی کرسیوں پر اچھلے۔ ایک بڑے صاحب تو کرسی سمیت لڑھک ہی گئے۔ بے اختیار میری ہنسی چھوٹ گئی۔

"خاموش!! ..... گدھا کہیں کا ..... کیسے دانت نکال رہا ہے..... بے ہودہ۔" ایک نوجوان دانش ور نے زور سے مجھے ڈانٹا۔ میں خاموش ہو گیا۔

"کیا منہ اٹھائے اندر گھس آئے ہو..... تمہیں معلوم نہیں یہاں آدمیوں کا داخلہ منع ہے؟" اس نے دوبارہ ڈانٹا۔ میں کیا جواب دیتا۔ سر جھکائے کھڑا رہا۔ انہی میں سے ایک نے میری طرف سے جواب دے دیا۔

"لیکن یہ آدمی تو نہیں، گدھا ہے۔"

"گدھوں کا داخلہ تو بالکل ہی منع ہے ..... چلئے آپ تشریف لے جائیے۔" اس نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے غصے کو تہذیب کا جامہ پہنایا۔ میں نے کانوں کو زور سے جھاڑا اور مٹی کے ساتھ اس کی بات بھی اڑا دی۔ میری اس حرکت پر وہ آپے سے باہر ہو گیا اور قلم اٹھا کر مجھے مارنے کے لئے دوڑا۔ قلم ہی دانشوروں کا ڈنڈا ہوتا ہے مگر اس سے گدھوں کو سیدھا نہیں کیا جا سکتا۔ اتنی سے بات اس نوجوان عالم کی سمجھ میں نہیں آئی تھی لیکن وہاں کے بزرگ دانش ور کو یہ گُر معلوم تھا۔ اس نے اپنے قلم کے اشارے سے نوجوان عالم کو روکا

تھی۔ بھوندو کا ایک سال کا بچہ کمرے کے اندر پڑا زور زور سے رو رہا تھا۔ میں نے سوچا "اس سے اچھا موقع پھر نہیں ملے گا۔" تھوڑا سا زور لگایا۔ دو ایک بار کھونٹے کے اِدھر اُدھر گھوما۔ رسی کھل گئی..... ایک بار پھر گلی اور گھر کے اندر جھانکا۔ رستہ صاف تھا۔ میں سٹک کر گلی سے نکل آیا۔

بھوندو دھوبی کا گھر گاؤں کی سب سے آخری گلی میں تھا۔ گلی کے ساتھ ہی ایک چوڑی سی کچی سڑک تھی اور اس کے بعد دور دور تک پھیلے ہوئے سبز کھیتوں کا سلسلہ، جن میں مختلف فصلیں لہلہا رہی تھیں۔ ان کے درمیان شفاف پانی کے نالے شام کی ملگجی روشنی میں ہلکے ہلکے چمک رہے تھے۔ کھیتوں کی حد بندی پر لگے کیکر اور شیشم کے درختوں پر گھروں کو واپس آجانے والے پرندے الوداعی چہکار میں مصروف تھے۔ دور بسنے والے پرندے درختوں کے اوپر سے ہوتے ہوئے اپنے بسیروں کی طرف جا رہے تھے۔ آسمان پر شرارتی بادلوں کی ٹولیاں اٹکھیلیاں کرتی پھر رہی تھیں۔ ادھ پکی فصلوں کی اشتہا انگیز خوشبو میں بسی ٹھنڈی ہوا روح اور بدن میں مستی پیدا کر رہی تھی۔ سامنے تازہ سبز چارہ بھی ہو اور لوٹنے کے لئے نرم ریت کی چادر بھی، تو کون کم بخت خود پر قابو رکھ سکتا ہے۔ بے اختیار میرے منہ سے بھی خوشی کا نعرہ نکل گیا۔ میں نے بلند آواز میں لمبی ڈھینچوں ڈھینچوں کی..... فضا میں دو چار دولتیاں جھاڑیں اور لوٹ لگانے کے لئے مناسب جگہ کی تلاش میں زمین کو سونگھتا ہوا ایک طرف کو دوڑ پڑا۔ بستی سے کوئی سو گز کے فاصلے پر مجھے من پسند جگہ مل گئی اور میں نے خود کو زمین پر گرا دیا۔ یہ بالو ریت کا چھوٹا سا ٹیلہ تھا۔ میں تین بار دائیں اور دو بار بائیں کروٹ کے حساب سے ردِ ہم بنا کر لوٹ لگا رہا تھا۔ بیچ بیچ میں بالکل پشت کے بل لیٹ کر ہوا میں سائیکل بھی چلا لیتا تھا۔ نرم ریت کے ذرّے میرے بدن کے نیچے پھسل رہے تھے اور ایک طرح کی گدگدی سی جسم میں پیدا ہوتی تھی۔ بہت مزا آرہا تھا..... شاید میں دیر تک یونہی لطف اندوز ہوتا رہتا کہ اچانک میرے کانوں میں گھنٹیوں کی آواز پڑی..... "ارے طیفو کسان کھیتوں سے واپس آرہا ہے۔" یہ اسی کے بیلوں کی گھنٹیاں تھیں..... طیفو مجھے پہچانتا تھا..... اگر وہ مجھے دیکھ لیتا تو ضرور پکڑ کر بھوندو کے گھر چھوڑ آتا اور ابھی میں گھر جانا نہیں چاہتا تھا۔ میں کام چور، دھوکے باز یا بھگوڑا نہیں ہوں..... بس آج موسم اچھا تھا اور اِدھر فُل تفریح کا موڈ۔ ذرا سیر سپاٹا کرتا، صبح خود ہی گھر چلا جاتا۔ طیفو کی نظر سے بچنے کے لئے میں پھرتی سے اٹھا اور چوکڑیاں بھرتا ہوا کھیتوں میں گم ہو گیا۔ میں اندر ہی اندر..... اور اندر گھستا گیا..... چلتے چلتے ادھر ادھر منہ مار کر سبز چارے کا مزہ بھی لیتا رہا۔ بہت دیر بعد جب فصلوں کے جنگل سے باہر نکلا تو اندازہ ہوا کہ میں بستی سے کافی دور آچکا ہوں۔ سامنے ہی پرانی حویلی تھی۔ کبھی گاؤں کا چوہدری یہاں رہا

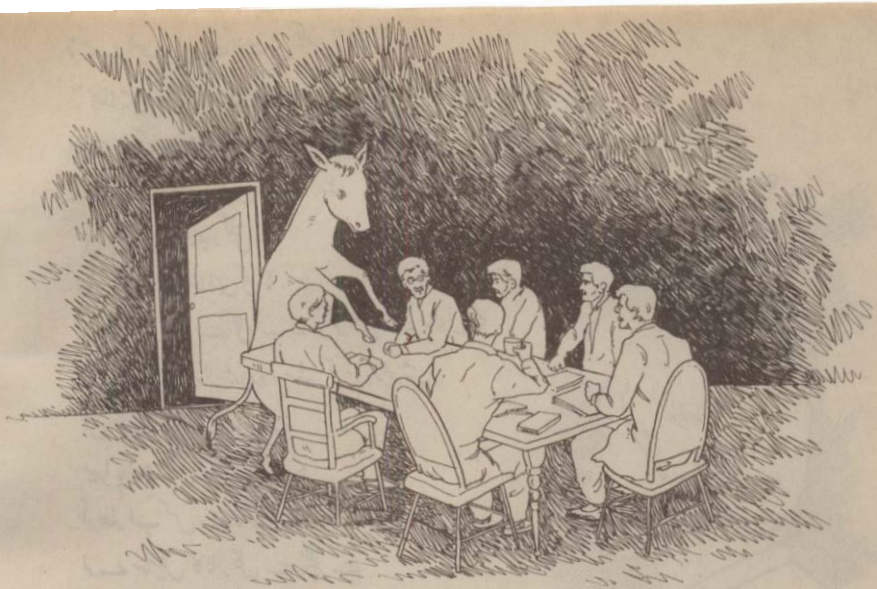

سب گدھے ہیں

منیر احمد راشد

اگرچہ کہ میں ایک گدھا ہوں مگر بالکل گدھا بھی نہیں ہوں۔

اس دن بھوندو کی حماقت سے رسی ڈھیلی رہ گئی تھی اور میں اس ڈھیل سے فائدہ نہ اٹھانے کی حماقت نہیں کرنا چاہتا تھا۔ محتاط نظروں سے میں نے ارد گرد کا جائزہ لیا۔ گلی میں دور دور تک کوئی نہیں تھا۔ گردن آگے بڑھا کر بغیر کواڑوں کے دروازے میں سے گھر کے اندر بھی جھانکا۔ صحن میں مرغیاں دانہ چگنے اور کوں کوں کر کے ایک دوسرے کو دھمکانے میں مصروف تھیں۔ چند چڑیاں بن بلائے مہمانوں کی طرح ان کے دستر خوان پر موجود تھیں۔ ایک کوا بھی موقع سے فائدہ اٹھانے کے چکر میں پھدکتا ہوا مرغیوں کے قریب ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔ صحن کے ایک کونے میں، سونے کے کمرے کی دیوار کے ساتھ، چھپر نما باورچی خانے میں بھوندو جلدی جلدی کھانا کھا رہا تھا۔ اس کی بیوی لوہے کی پھکنی سے اُپلوں کی آگ کو سلگانے میں مصروف تھی۔ چولہا گاڑھا گاڑھا دھواں اُگل رہا تھا، جس میں بیوی کا سر تقریباً غائب ہو چکا تھا۔ صرف اس کے کھانسنے کی آواز آ رہی

تو جھٹ لہجہ بدل کے بات ہی یکسر "مُکا" دینا
"بھلا میں کوئی لڑکا ہوں؟"
اور اس کے بعد میرے شوق پر یوں تبصرہ کرنا
بہت ہی بے سروپا کھیل ہے کرکٹ
کسی پاگل کی یہ ایجاد لگتی ہے
کوئی ٹُک ہے بھلا اس کی؟
بس اب کر دی ہے کٹی اب نہ ہرگز اس سے بولوں گا
الٰہی کیا کروں میرا پسندیدہ رسالہ آ گیا بازار میں
کل تک تو شاید ختم ہو جائے
میرا پاکٹ منی تو اُڑ چکا کب کا
اُدھار اب کس سے مانگوں گا؟
ارے سائیکل کا ٹائر کل سے پنکچر ہے
اگر ابّو کو بتلایا وہ مجھ ہی کو ڈانٹیں گے
کہ سڑکوں پر کہیں کیلیں بچھی ہیں
عجب بغلول لڑکے ہو
تمہیں سائیکل چلانا ہی نہیں آتا
مجھے تو یاد اب آیا
اسد کے ہاں مجھے کل شام چائے پر بھی جانا ہے
مگر اس کی اجازت کون لے کر دے
بتائے کون ابّو کو ہیں میرے امتحاں نزدیک
کہ اس کے ساتھ مل کر میتھس کی کرنی ہے تیاری
خدایا سب قمیضوں کے بٹن ٹوٹے ہوئے ہیں
کون سی پہنوں؟
وہ نیلی جین بھی تو دُھلنے والی ہے
مگر امّی نہیں گھر پہ
چلو اس بار میں جا کر منا لیتا ہوں بہنا کو
بےچاری حسب عادت رو رہی ہوگی
پھر آخر اس میں ایسا حرج بھی کیا ہے
ہمیشہ تو وہی مجھ کو مناتی ہے

بہت کوشش سے بہنا مجھ سے روٹھی ہے

شاھدہ صدف

بڑی مشکل سے میری جان چھوٹی ہے
بہت کوشش سے بہنا مجھ سے روٹھی ہے
میرا دل جانتا ہے کس قدر مجھ کو ستاتی ہے
کیے رکھتی ہے کیسا ناک میں دم رات دن میرا
چلو دو چار دن اب امن سے چپ چاپ گزریں گے
کبھی بھیا پریکٹیکل کی کاپی تو بنا دینا
کبھی کل خانہ داری ہے میرے بھیا
مجھے اسکول تم کو لے کے جانا ہے
پھر اس پر دھونس بھی
اپنے کھلنڈرے ساتھیوں کے ساتھ باہر مت نکل جانا
مجھے بارہ بجے کے بعد واپس لے کے آنا ہے
کبھی شکوہ کہ میری برتھ ڈے پر کیا دیا تم نے
وہ پین، نب جس کی ہلتی ہے؟
کبھی یوں چیخنا سوتے میں آکر ہڑبڑا دینا
میرے بھیا میرے پیارے بھیا
ذرا دو جوس کے پیکٹ پکڑ لانا
سہیلی آئی ہے میری
کوئی پوچھے بھلا اس چلچلاتی دھوپ میں
ٹینک ہے کسی مہماں کے آنے کی؟
مگر میں ضبط کا پیکر غریب اکلوتا بھائی
ہائے بے چارہ
وہ جو چاہے
مجھے چپ چاپ کرنا ہے
اب آئے گا مزہ دو چار دن جب میں نہ بولوں گا
خدا جانے سمجھتی کیا ہے یہ خود کو
اگر بھولے سے میں کہہ دوں
میری بہنا ذرا دو چار بالیں تو کرا دینا

اِن پر اعتماد کیجیے

اِن سے تعاون کیجیے

وطنِ عزیز کے قریے قریے
اور نگر نگر
ہر ماہ باقاعدگی سے

آنکھ مچولی

پہنچانے کے لیے ہم نے

اِن اداروں کو
اپنا باقاعدہ ایجنٹ
مقرر کیا ہے

محمد حسین برادرز	کراچی ۷۷۲۳۱۲۶
سلطان نیوز ایجنسی	لاہور - ۵۸۲۴۹
ملک تاج محمد	راولپنڈی - ۵۵۴۳۲
مہران نیوز ایجنسی	حیدرآباد - ۲۰۱۲۸
افضل نیوز ایجنسی	پشاور - ۶۲۵۱۵
اے ایس حامد نیوز سروس	ملتان - ۴۳۳۱۰
فیاض بک ڈپو	فیصل آباد - ۲۷۴۰۶
ایم ایم ٹریڈرز	کوئٹہ - ۷۵۰۰۲
اسلم نیوز ایجنسی	گوجرانوالہ
سلمان برادرز	ڈوابشاہ - ۲۴۱۴
سعید بک سٹال	گجرات - ۳۶۳۹
پاکستان اسٹینڈرڈ بکسٹال	سرگودھا - ۶۲۹۵۱
طاہر نیوز ایجنسی	جہلم
کیپٹل نیوز ایجنسی	بہاولپور - ۲۹۵۷
چوہدری امانت علی اینڈ سنز	رحیم یار خان - ۲۶۲۶
مسلم بک ڈپو	سرائے عالمگیر
رحمت بکسٹال	اوکاڑہ
رہبر نیوز ایجنسی	منڈی مدرسہ
ملک اینڈ سنز	سیالکوٹ - ۸۷۹۸۹
سلطانی نیوز ایجنسی	چکوال

آنکھ مچولی خریدنے کے لیے
اپنی تجاویز اور مشوروں کے لیے

ان ناموں پر اعتماد کیجیے

خط و کتابت کے لیے

ماہ نامہ **آنکھ مچولی** 1-پی-آئی-بی-کالونی کراچی ۷۴۸۰۰

کون کون ہیں؟

جواب:۔ مشتاق، وقار، راشد، باسط، معین، عاقب سبھی سے اچھی دوستی ہے۔

سوال:۔ آف سیزن میں آپ کی مصروفیات کیا ہوتی ہیں؟

جواب:۔ آف سیزن میں، میں اپنے گھر ملتان جاتا ہوں اور اپنی فیملی کے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت گزارتا ہوں۔

سوال:۔ کرکٹ کے علاوہ کونسا کھیل کھیلتے ہیں؟

جواب:۔ کرکٹ کے علاوہ میں فٹ بال کھیلتا ہوں۔

سوال:۔ اچھا انضمام بھائی یہ بتایئے بچپن میں کرکٹ کھیلتے ہوئے آپ نے کتنے گھروں کے شیشے توڑے؟

جواب:۔ نہیں جی شیشے تو نہیں توڑے مگر ٹیوب لائٹیں بہت توڑی ہیں اور گیندیں بہت گم کی ہیں۔ دراصل ہمارا گھر بہت بڑا ہے اور محلے کے بچے ہمارے گھر میں کھیلنے آتے تھے اور ایسے میں جو کمروں کی ٹیوب لائٹیں ہوتی تھیں وہ تو ظاہر ہے ٹوٹنا تھیں۔

سوال:۔ کرکٹ میں آپ کے آئیڈیل کھلاڑی؟

جواب:۔ ویوین رچرڈ۔ ان کی بیٹنگ مجھے بے حد پسند ہے۔

سوال:۔ آپ کی کرکٹ بڑی مختلف لگتی ہے۔ بیٹسمین عموماً کوشش کرتے ہیں کہ گیند باؤنڈری پار کر جائے مگر آپ گیند کھیلنے سے زیادہ توڑنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔ اس کی وجہ؟

جواب:۔ (مسکراتے ہوئے) نہیں! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ دراصل میں شروع سے ہی بولر کو اپنے اوپر حاوی نہیں ہونے دیتا۔ اس لئے تیز کھیلتا ہوں اور آپ لوگ سمجھتے ہیں (ہلکا سا قہقہہ لگا کر) شاید میں گیند توڑ رہا ہوں۔

سوال:۔ آپ کا نام بڑا مشکل ہے اس کے کیا معنی ہیں؟

جواب:۔ جی ہاں میرا نام لوگوں کو خاصا مشکل لگتا ہے۔ اسی وجہ سے میرے دوست وغیرہ مجھے "انزی" کہتے ہیں۔ ویسے میرے نام کا مطلب ہے "حق میں جو شامل ہو جائے" انگریز بھی بیچارے میرے نام کی وجہ سے بہت پریشان ہوتے ہیں وہ مجھے آئی۔ حق کہتے ہیں۔

سوال:۔ اچھا انضمام بھائی آنکھ مچولی کے قارئین کے لئے آپ کیا پیغام دیں گے؟

جواب:۔ آنکھ مچولی نام تو اچھا ہے مگر مجھے بچوں سے یہ کہنا ہے کہ آنکھ مچولی پڑھیں تو ضرور مگر کھیلیں نہیں (ہلکا سا قہقہہ) خیر یہ تو مذاق کی بات ہے میرا بچوں کے لئے یہ پیغام ہے کہ وہ ہر وقت اللہ کو یاد رکھیں اور نماز پابندی سے پڑھیں کہ نماز پڑھنے سے بندہ اللہ کے قریب ہو جاتا ہے۔

گیا تو اس وقت مطلوبہ ٹارگٹ تک پہنچنے کے لئے ۹ رنز فی اوور کا اوسط درکار تھا۔ بڑی نازک صورتحال تھی، وکٹ بھی ٹھیک نہیں تھی۔ میں نے جاتے ہی اللہ کا نام لے کر بلّا گھمانا شروع کر دیا پھر جاوید بھائی ساتھ تھے۔ انہوں نے بڑی حوصلہ افزائی کی اور اللہ کے کرم سے ہم یہ میچ جیت گئے۔

سوال:۔ ورلڈ کپ کے بعد انگلینڈ کا جو دورہ تھا اس میں آپ اچھا نہیں کھیلے اس کی کیا وجہ تھی؟

جواب:۔ وہاں کی وکٹیں میرے لئے نئی تھیں، مجھے ایڈجسٹ ہونے میں دیر لگی پھر ورلڈ کپ جیتنے کے بعد ہم لوگ مختلف پروگرام اٹینڈ کرتے رہے، لوگوں کی محبتیں سمیٹتے رہے۔ پھر انگلینڈ کے ٹور میں وقت کی کمی کے باعث ٹریننگ کیمپ میں مناسب پریکٹس بھی نہ ہو سکی جس کی وجہ سے بیٹنگ مُتاثر ہوئی۔

سوال:۔ آپ رن آؤٹ بہت ہوتے ہیں اس کی وجہ یہ تو نہیں کہ آپ موٹے تازے..........!! مطلب یہ کہ خاصے صحت مند ہوتے جا رہے ہیں؟

جواب:۔ (انضمام مسکراتے ہوئے) آپ اس رن آؤٹ کے مسئلے میں میری صحت کو بیچ میں کیوں لا رہے ہیں اور ویسے بھی دیکھیں نا جی! صحت مند تو میں پہلے سے ہی ہوں اور صحت مند لوگ تو زیادہ تیز دوڑتے ہیں۔ اصل مسئلہ ذہنی ہم آہنگی کا ہوتا ہے۔ اگر رننگ کے دوران کھلاڑیوں میں انڈراسٹینڈنگ نہیں ہوگی تو رن آؤٹ کا مسئلہ تو ہوگا۔ پہلے جب میں نیا نیا آیا تھا تو رننگ میں اس مسئلے کے سبب رن آؤٹ ہوتا تھا۔ اب وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کھلاڑیوں کے ساتھ ہم آہنگی کے باعث میں رن آؤٹ نہیں ہو رہا۔

سوال:۔ پلک جھپکتے میں یہ جو بازی آپ پلٹ دیتے ہیں اس پر آپ کو کبھی فخر ہوا؟ کبھی تو اپنی دھواں دھار بیٹنگ پر آپ کو پیار آیا ہوگا؟

جواب:۔ نہیں جی! بازی پلٹ دینا تو اللہ کا کام ہے۔ بیٹنگ کی صلاحیت تو اللہ ہی نے دی ہے پھر میں کس بات پر فخر کروں۔ ہاں جب ٹیم جیتتی ہے اور وطن کا جھنڈا اونچا ہوتا ہے تو مجھے فخر محسوس ہوتا ہے۔

سوال:۔ سینئر کھلاڑیوں کا روّیہ آپ کے ساتھ کیسا ہے؟

جواب:۔ سینئر کھلاڑیوں کا روّیہ صرف میرے ساتھ ہی نہیں سبھی کھلاڑیوں کے ساتھ اچھا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حالیہ برسوں میں پاکستانی ٹیم نے جتنی بھی کامیابیاں حاصل کی ہیں وہ ایک بہترین ٹیم ورک کا نتیجہ ہے۔ سینئر کھلاڑی جونیئر کھلاڑیوں سے بہت تعاون کرتے ہیں۔ ایک زمانے میں پاکستانی ٹیم کے پاس سات آٹھ ورلڈ کلاس کھلاڑی تھے لیکن پاکستان کی فتوحات زیادہ نہیں تھیں اس کی وجہ ان کھلاڑیوں میں آپس میں انڈراسٹینڈنگ کا نہ ہونا تھا جب کہ موجودہ ٹیم کے کھلاڑیوں میں ہم آہنگی پوری طرح موجود ہے۔

سوال:۔ قومی ٹیم میں آپ کے بہترین دوست

والے بچّوں کے خطوط میں مسلسل فرمائش کی جارہی تھی کہ جلد از جلد انضمام الحق کا انٹرویو چھاپا جائے۔ ہمارے ذمے انضمام الحق کے انٹرویو کی ذمّہ داری لگائی گئی تھی اور انضمام الحق کرکٹ کی وجہ سے مصروف تھے۔ اس بار جب وہ کراچی آئے تو ہم نے انہیں پکڑ ہی لیا۔ ان کا میچ تھا، ہم جب ان سے ملے تو وہ نہایت خوش اخلاقی سے پیش آئے اور جب ہم نے انہیں بچّوں کی فرمائش بتائی تو فوراً ہی انہوں نے ملاقات کا وقت دے دیا کیوں کہ انہیں بچّوں سے بے حد محبت ہے۔

آنکھ مچولی کے لئے "فاران ہوٹل" میں (جہاں انضمام ٹھہرے ہوئے تھے) ہم نے انضمام الحق کا یہ انٹرویو ریکارڈ کیا جو قارئین آنکھ مچولی کے پیش خدمت ہے:

سوال:۔ کرکٹ کی دنیا میں آنے کا شوق آپ کو کیسے ہوا؟

جواب:۔ کرکٹ کھیلنے کا شوق تو پاکستان کے بچّے بچّے کو ہے۔ مجھے اپنے بھائی کو کھیلتا دیکھ کر کرکٹ کھیلنے کا شوق ہوا۔

سوال:۔ آپ نے کرکٹ کھیلنا کس سے سیکھا؟

جواب:۔ کرکٹ میں میرا کوئی اُستاد نہیں۔ خود ہی کھیلتا رہا، غلطیاں کرتا پھر خود ہی غلطیوں سے بچنا سیکھتا رہا اور جو میرے کھیلنے کا اسٹائل ہے وہ بھی نیچرل ہے۔ میں نے کسی سے کوچنگ حاصل نہیں کی۔

سوال:۔ اکثر بچّوں کی کھیلوں میں حصہ لینے پر گھر والوں کی طرف سے حوصلہ افزائی نہیں ہوتی، آپ کے ساتھ تو کوئی ایسی صورتحال نہیں رہی؟

جواب:۔ نہیں جی! میرے ساتھ ایسا کوئی مسئلہ نہیں ہوا۔ میرے کھیلنے پر کبھی پابندی نہیں لگائی گئی اور ویسے بھی ہمارے گھر میں یہ ہے کہ اگر آپ پانچوں وقت کی نماز پڑھیں گے تو پھر کھیلنے پر کوئی پابندی نہیں ہوگی۔ ہمارے گھر میں کھیل کود اور دوسرے کاموں سے زیادہ نماز کی اہمیت ہے۔

سوال:۔ یہ تو آپ نے بہت اچھی بات بتائی انضمام بھائی! اب یہ بتایئے کہ بچپن آپ کا کیسا گزرا؟ شرارتوں میں ڈوبا ہوا یا بہت سنجیدہ تھے آپ؟

جواب:۔ جی بس ٹھیک ٹھاک ہی گزرا ہے بچپن۔ میں بچپن میں نہ شرارتی تھا نہ سنجیدہ۔

سوال:۔ یہ تو بہت تشویش ناک بات بتائی آپ نے۔ ہمارے خیال میں تو بچپن میں سب کو بہت شریر ہونا چاہئے۔ چلئے بچپن میں آپ نے شرارت نہیں کی لیکن اب کے بارے میں کیا خیال ہے؟

جواب:۔ (انضمام ہنستے ہوئے) کرکٹ تو بہت سنجیدگی کا کھیل ہے۔ اس میں تو بہت سیریس رہنا پڑتا ہے لیکن جب ہم کھلاڑی کرکٹ سے دور ہوتے ہیں تو پھر چھوٹی موٹی شرارتیں ضرور چلتی ہیں۔

سوال:۔ ورلڈ کپ کے سیمی فائنل میں آپ نے جو شاندار اننگز کھیلی اس کے بارے میں کچھ بتائیں؟

جواب:۔ بس جی پاکستان کے لئے ورلڈ کپ جیتنے کا اللہ تعالیٰ نے سنہری موقع دیا تھا۔ جب میں کھیلنے

ورلڈ کپ جیتنے کے بعد ہماری ٹیم سست پڑ گئی

سلیم خالق انضمام الحق کے ساتھ

- کرکٹ میں میرا کوئی اُستاد نہیں۔
- میرے گھر میں نماز پڑھنے کو بہت اہمیت دی جاتی ہے۔
- میں بچپن میں شرارتی نہیں تھا۔
- میں صحت مند ہوں لیکن دوڑتا تو تیز ہوں۔
- وطن کا جھنڈا اونچا ہوتا ہے تو فخر ہوتا ہے۔
- بچے آنکھ مچولی ضرور پڑھیں لیکن کھیلیں نہیں۔

کرکٹ کی دُنیا کے طوفانی بیٹسمین انضمام الحق کی معصوم باتیں۔

ملاقات: سلیم خالق

یہ ۱۹۹۱ء کی بات ہے۔

پاکستان کرکٹ ٹیم میں چند نوجوان کھلاڑی شامل کئے گئے۔ ان میں سے ایک کھلاڑی بہت ہی معصوم اور بھولا بھالا دکھائی دیتا تھا۔ اس کے چہرے مُہرے سے کھلاڑیوں والی کوئی بات نظر نہ آتی تھی لیکن جلد ہی اس کے جوہر کھُلے اور اس نے اپنی شاندار بیٹنگ سے کرکٹ کے میدانوں میں دُھوم مچا دی اور جب ورلڈ کپ کے سنسنی خیز مقابلے ہوئے تو پاکستانی ٹیم کو سیمی فائنل اور فائنل میں اسی کھلاڑی کی دھواں دھار بیٹنگ کی وجہ سے شاندار فتح نصیب ہوئی۔

دائیں ہاتھ سے جارحانہ بیٹنگ کرنے والے کرکٹ کے معصوم بازی گر انضمام الحق نہ صرف کرکٹ کے اُفق پر جگمگا رہے ہیں بلکہ لاکھوں شائقین کرکٹ کے دلوں پر حکمرانی بھی کر رہے ہیں۔

انضمام بڑوں کے ساتھ ساتھ بچّوں میں بھی بے حد مقبول ہیں۔ اس کی ایک بڑی وجہ ان کے چہرے کی معصومیت ہے جو انہیں دوسرے کھلاڑیوں سے ممتاز کرتی ہے۔ آنکھ مچولی کے دفتر میں آنے

بازی پلٹ دینے کے ماہر
انضمام الحق

انضمام اسکواش کے بے تاج بادشاہ جہانگیر کے ساتھ ایک تقریب میں

انضمام اپنے مداحوں میں گھرے ہوئے

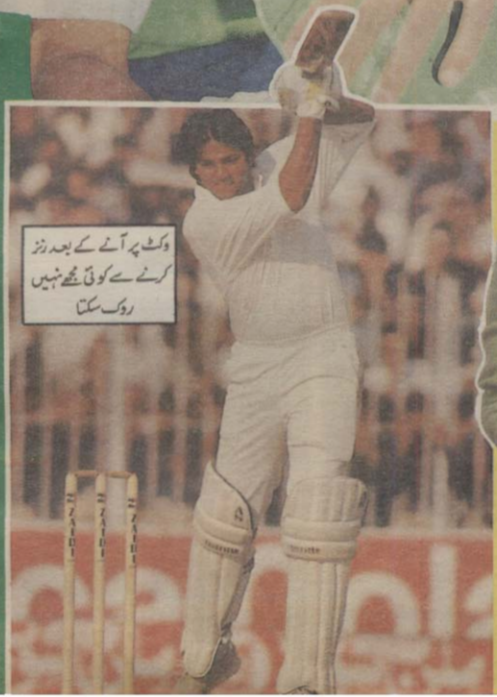

وکٹ پر آنے کے بعد رنز کرنے سے کوئی مجھے نہیں روک سکتا

ون ڈے کرکٹ میچ میں بچو! ایک یہ خوبی ہوتی ہے جلد نتیجہ آتا ہے اور دلچسپی بھی ہوتی ہے

تار پر چلنے والے موت سے کھیلنے والے

سرکس میں عجیب و غریب تماشے تو ہوتے ہی ہیں لیکن یہ کھیل حیرت انگیز بھی ہے اور جان لیوا بھی۔ سرکس میں آپ نے بھی کرتب دکھانے والوں کو تار پہ چلتے دیکھا ہوگا۔ اس کے لئے ظاہر ہے مشق کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن اس کرتب کی انوکھی بات یہ ہے کہ کرتب دکھانے والے نے تار سے چھلانگ لگا کر دو ساتھیوں کو عبور کیا اور پھر بھی اس کا توازن برقرار رہا۔ اگر چھلانگ لگانے کے بعد وہ لڑکھڑا کر گر پڑتا تو زندہ بچ جانے کا کوئی سوال ہی نہیں تھا کیونکہ یہ تار کم از کم تین منزلہ عمارت جتنی بلندی پر بندھا تھا اور نیچے کوئی حفاظتی جال بھی نہیں تھا جو گرنے کی صورت میں اسے بچا لیتا۔ اسے محاورے میں کہتے ہیں "موت سے آنکھیں چار کرنا"۔

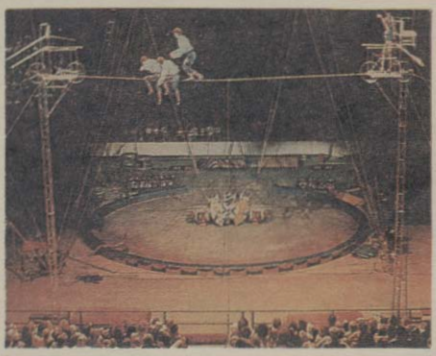

ست اور تلواروں کو کند کر دیا اور انہیں اپنے آپ پر بالکل بھروسہ نہ رہا۔ اقبال نے اسرارِ خودی میں ایسے شاعروں کی سخت مخالفت کی ہے اور انہیں "بھیڑیں" کہا ہے۔ ان کے خیالات نے قوم پر اثر ڈالا ہے۔ اسے اچھی طرح مسلمانوں کے ذہن میں بٹھانے کے لئے اقبال نے ایک مزے کی کہانی بھی لکھی ہے۔

یہ کہانی یوں ہے کہ کہیں چراگاہ میں بہت سی بھیڑیں رہتی تھیں۔ چوں کہ یہاں چارہ بہت تھا اس لئے ان بھیڑوں کی نسل خوب پھلی پھولی اور ان کی تعداد برابر بڑھتی گئی۔ جب یونہی بہت مدت گزر گئی تو کرنا خدا کا کیا ہوا کہ پاس کے جنگل میں کہیں سے کچھ شیر آ بسے۔ انہیں جب بھوک لگتی تو بھیڑوں کے گلہ میں آ پڑتے تھے۔ بھیڑوں نے اس بلا سے نجات پانے کے لئے بہت جتن کئے۔ مگر کوئی تدبیر نہ چلی آخر ایک بوڑھی بھیڑ نے جو سب سے زیادہ عقلمند تھی سوچ سوچ کر اپنی قوم کو شیروں سے بچانے کا طریقہ نکال ہی لیا۔

اس نے سوچا کہ بھیڑوں کو شیر بنانا تو کسی طرح ممکن نہیں۔ ہاں اگر شیر اپنی خُو بُو چھوڑ دیں تو ان میں اور بھیڑوں میں کوئی فرق نہیں رہے گا۔ چنانچہ اس نے شیروں کی کچھار میں جا کر کہنا شروع کیا کہ مجھے خدا نے تمہارے پاس اپنا پیغام دے کر بھیجا ہے اگر تم نے میری بات نہ مانی تو تم سب تباہ ہو جاؤ۔ جو لوگ طاقت ور ہیں اور بھیڑوں کو کھا کھا کر زندگی گزارتے ہیں ان کی موت قریب ہے ہمیشہ کی زندگی حاصل کرنا چاہو تو ساگ پات پر گزارہ کرو اور اپنے آپ کو مٹا ڈالو۔ کیوں کہ جنت میں صرف کمزور ہی جا سکتے ہیں۔

اس مکار بھیڑ کے وعظ کا یہ اثر ہوا کہ شیر گھاس کھا کر گزارہ کرنے اور جنت کے خواب دیکھنے لگے اور آہستہ آہستہ ان کی ہمت بالکل جواب دے گئی اور ان میں اور بھیڑوں میں کوئی فرق نہ رہا۔

یہ شیر کون تھے؟ مسلمان اور یہ بھیڑیں یونانی۔ جن کی کتابوں نے مسلمانوں کو کم ہمت بنا دیا۔

اقبال کے خیالات ان لوگوں سے مختلف ہیں وہ قرآن کی سچی تعلیم سے ذرہ بھر اِدھر اُدھر نہیں ہٹتے اور کہتے ہیں کہ اپنے آپ کو پہچانو، دنیا میں جو کچھ ہے سب تمہارے لئے ہے، ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ رہنا قوم کے لئے موت کا پیغام ہے، دل سے ڈر اور خوف بالکل نکال دو، دریاؤں میں کود پڑو، لہروں سے لڑو، چٹانوں سے ٹکرا جاؤ کیوں کہ زندگی پھولوں کی سیج نہیں جنگ کا میدان ہے۔

اعتذار

اکتوبر کے شمارے میں شائع ہونے والی تحریر "ننھی موجد" ہمیں مخدوم پور پہوڑاں سے جناب علی جبران نے ارسال کی تھی۔ جبکہ غلطی سے ان کا نام علی رضوان چھپ گیا ہے۔ ادارہ اس سہو پر معذرت خواہ ہے۔ (ادارہ)

سمجھے۔ زیادہ تعداد ایسے لوگوں کی تھی جن کی سمجھ میں نہیں آیا کہ شاعر کیا کہتا ہے مگر خودی کا نام سن کر سب چونک پڑے۔ اس مختصر مضمون میں اتنی گنجائش تو نہیں کہ خودی پر بحث کی جائے، ہاں اس بحث کو سمیٹ کر دو لفظوں میں یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ اپنے آپ کو جان لینا خودی کو پہچاننا ہے۔

آپ کہیں گے کہ ہر انسان اپنے آپ کو خوب جانتا ہے مگر اصل میں یہ جاننا جاننا نہیں۔ جاننا تو یہ ہے کہ انسان کو قدرت نے جو جو طاقتیں بخشی ہیں وہ ان سب سے اچھی طرح آگاہ ہو جائے۔ شیر جب تک شکار پر حملہ نہ کرے وہ نہیں جانتا کہ اس میں کتنی قوت ہے؟ یہی حال انسان کا ہے، جب تک وہ دوسروں کے سہارے زندگی بسر کرتا ہے اس کی خودی دبی رہتی ہے مگر جب کوئی سہارا نہیں رہتا اور اسے اپنی قوت اور طاقت سے کام لینا پڑتا ہے تو خودی ابھرتی ہے اور آہستہ آہستہ وہ سمجھ لیتا ہے کہ دنیا میں جو کچھ بھی ہے سب میرے ہی لئے ہے۔

کچھ لوگوں کو دھوکا ہوا ہے کہ خودی اور تکبّر دونوں ایک چیز ہیں۔ نہیں یہ بات نہیں ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ جو لوگ تکبّر کرتے ہیں ان کی نظر میں اپنی طاقت اور قوت پر نہیں ہوتی بلکہ انہیں صرف اپنی کمزوریوں کا خیال رہتا ہے اور ان کے جی میں یہ ڈر سما جاتا ہے کہ کہیں کوئی شخص ہماری کمزوریوں سے واقف نہ ہو جائے اس لئے وہ چلا چلا کر باتیں کرتے ہیں اور اپنی اور اپنے باپ دادا کی بڑائی کا ذکر کرتے نہیں تھکتے اور اس طرح اپنے جی کے ڈر اور طبیعت کی بے چینی کو چھپانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔

خودی کا تکبّر سے کوئی تعلق نہیں۔ جب کوئی شخص اپنے آپ کو پہچان لیتا ہے تو وہ بالکل نڈر اور بے باک ہو جاتا ہے۔ اس کی خودی خطروں میں زیادہ چمکتی ہے اور جوں جوں مشکلات بڑھتی جاتی ہیں اس کی چھپی ہوئی قوتیں اور ابھرتی ہیں۔ وہ طاقت ور کے مقابلہ میں اکڑ جاتا ہے اور کمزور سامنے آئے تو اس سے بڑی شفقت اور محبت کا سلوک کرتا ہے۔

اگلے زمانے کے بہت سے شاعروں نے اس بات کو نہیں سمجھا بلکہ وہ ہمیشہ یہی کہتے ہے کہ انسان کو اپنی خودی بالکل مٹا دینی چاہئے۔ اس قسم کے خیالات سب سے پہلے یونان کے ملک میں پیدا ہوئے اور جب مسلمانوں نے یونان کی کتابوں کا ترجمہ عربی میں کیا تو بہت سے مسلمان شاعر یہ باتیں نئے نئے طریقوں سے بیان کرنے لگے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ انسان کو ہاتھ پاؤں ہلانے کی ضرورت نہیں بلکہ اسے خدا پر بھروسہ کر کے ایک کونے میں بیٹھ رہنا چاہئے۔ اگر کوئی شخص ہمیشہ کی زندگی پانا چاہتا ہے تو اسے چاہئے کہ اپنے آپ کو مٹا ڈالے۔ اس قسم کے خیالات نے مسلمانوں کے بازوؤں کو

خودی کیا ہے؟

انتخاب ادارہ

اگر آپ علامہ اقبال کا نظریۂ خودی سمجھنا چاہتے ہوں تو اس مضمون کو ضرور پڑھیں۔

فارسی زبان میں مثنوی اسرار خودی علامہ اقبال کی پہلی تصنیف ہے۔ اس کتاب کا ایک حصہ انہوں نے ۱۹۱۴ء میں انجمن حمایت اسلام کے سالانہ جلسہ کے موقع پر سنایا تھا۔ کوئی ڈیڑھ سال کے بعد یہ کتاب چھپ کر شائع ہو گئی اور اسے چھپے ہوئے دو سال ہوئے تھے کہ انہوں نے اپنی دوسری مثنوی "رموز بے خودی" بھی شائع کر دی۔

ان دونوں کتابوں میں ڈاکٹر اقبال نے جو خیالات ظاہر کئے ہیں، انہوں نے لوگوں کو چونکا دیا۔ کیوں کہ ان میں ایسی ایسی باتیں تھیں جو ان سے پہلے کسی شاعر نے نہیں کہی تھی اور تو اور ان کی صرف ایک نظم "شمع و شاعر" کے سوا ان کے اردو کلام میں بھی اس قسم کے خیالات کا کھوج نہیں ملتا۔

اسرارِ خودی میں اقبال نے خود کو پہچاننے کی تلقین کی ہے۔ مگر اس نکتہ کو بہت تھوڑے لوگ

کرتے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کئے گئے عہد کو نبھاتے گزر رہی تھی کہ حضورؐ اپنے اللہ سے جا ملے۔ اس کے ساتھ ہی عرب تیزی کے ساتھ دین اللہ سے نکلنے لگے..... انفرادی طور پر بھی اور جماعتوں کی شکل میں بھی..... ثمامہؓ کے قبیلے بنو حنیفہ میں مسیلمہ کذاب نے نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ ثمامہؓ اس کے مقابلے میں اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنی قوم سے کہا:

"اے بنی حنیفہ! اس کام سے بچو جس کے اندر اندھیرا ہی اندھیرا ہے اور کوئی روشنی نہیں ہے۔ تم میں سے جو کوئی اس معاملے میں پڑے گا، اللہ کی جانب سے اس کے لئے بدبختی لکھی جا چکی ہے اور جو اس سے بچنا چاہے سخت آزمائش اس کی منتظر ہے۔

اے بنی حنیفہ! ایک وقت میں دو نبی کبھی اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو ایسے رسول ہیں جن کے بعد کوئی نبی ہی نہیں اور نہ ان کی نبوت میں کسی کو شریک کیا گیا ہے۔"

پھر آپ نے سورۃ مومن کی یہ آیت تلاوت کیں:

"ح۔ م۔ اس کتاب کا نزول اللہ کی طرف سے ہے جو زبردست ہے، سب کچھ جاننے والا ہے، گناہ معاف کرنے والا اور توبہ قبول کرنے والا ہے۔ سخت سزا دینے والا اور بڑا صاحب فضل ہے، کوئی معبود اس کے سوا نہیں، اسی کی طرف سب کو پلٹنا ہے۔"

پھر فرمایا! اللہ کے اس کلام کا مقابلہ مسیلمہ کا یہ قول کیسے کر سکتا ہے: "اے مینڈک تو پاک ہے پاک۔ نہ پانی پینے والوں کو روکتا ہے نہ پانی کو گدلا کرتا ہے۔"

اس کے بعد آپ اپنے قبیلے کے ان افراد کے ہمراہ جو اسلام پر قائم تھے، علیحدہ ہو گئے اور اللہ کی راہ میں مرتدین سے لڑنے اور سرزمین عرب میں اللہ کے کلمے کو بلند کرنے کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔

مت جھکو

۱۹۴۱ء میں قائد اعظمؒ نے پنجاب مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے زیر اہتمام لاہور میں منعقدہ پاکستان کانفرنس میں شرکت کی۔ کانفرنس کے پانچویں روز طلبا کی طرف سے قائد اعظم کے اعزاز میں ٹی پارٹی کا اہتمام کیا گیا۔ تقریب کے اختتام پر طلبا کے درمیان قائد اعظم کھڑے ہوئے تھے کہ ایک طالب علم نے آگے بڑھ کر ان سے ہاتھ ملایا اور ان کے سامنے اس حد تک جھک گیا گویا آپ کے پاؤں چوم لینا چاہتا ہو۔ یہ دیکھ کر قائد اعظم کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا اور طالب علم کا سر پکڑ کر سیدھا کیا اور نہایت خشمگیں انداز میں فرمایا "دیکھو اللہ کے سوا کسی کے آگے مت جھکو۔"

مرسلہ..... محمد اظہر اقبال کندی، میانوالی

قریش کے کانوں میں تلبیہہ کی آواز پڑی تو وہ بھڑک اٹھے۔ انہوں نے تلواریں میانوں سے کھینچیں اور آواز کی سمت بھاگ کھڑے ہوئے۔ یہ کون تھا جو ان کی کچھار میں گھس آیا تھا؟ وہ اسے اس جرأت کا مزہ چکھانے کو بیتاب تھے۔

قریش ثمامہؓ کے پاس پہنچے تو وہ بدستور تلبیہہ پکار رہے تھے۔ ان کی نگاہوں میں عزم اور اعتماد کی لو جل رہی تھی۔ غصے سے بھرا ایک نوجوان انہیں تیر مارنے والا تھا کہ قریشیوں نے اسے روک دیا۔

"تمہارا ستیاناس ہو، جانتے ہو یہ شخص کون ہے؟ یہ یمامہ کا سردار ثمامہ بن اثال ہے۔ بخدا اگر تم نے اسے بری نیت سے ہاتھ بھی لگایا تو اس کی قوم ہمارا غلّہ روک دے گی اور ہم بھوکوں مر جائیں گے۔" انہوں نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ اس کے بعد انہوں نے اپنی تلواریں میانوں میں ڈال دیں اور ثمامہؓ کے پاس آکر کہا۔ "ثمامہ! تمہیں کیا ہوا؟ کیا باپ دادا کا دین چھوڑ کر بے دین ہوگئے؟"

"میں بے دین نہیں ہوا بلکہ ایک بہتر دین کا پیروکار بن گیا ہوں..... میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین اختیار کر لیا ہے۔" ثمامہؓ نے انہیں جواب دیا۔ اس کے بعد ان کا لہجہ سخت ہوگیا۔ "قسم ہے اس گھر کے رب کی۔ جب تک تم لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی قبول نہیں کرتے، گندم کا دانہ یا کوئی اور غلّہ تمہیں نہیں پہنچے گا۔"

اس کے بعد انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق..... قریش کے طریقوں کے برعکس..... عمرہ کیا اور قربانی دی۔ اللہ کی قربت کے لئے..... ناکہ بتوں کی خاطر۔

عمرہ ادا کر کے وہ اپنے ملک لوٹ آئے۔ اپنی قوم میں پہنچ کر انہوں نے حکم دیا کہ قریش کو غلّے کی فراہمی روک دی جائے۔ قوم نے ان کا کہا مانا اور قریش کو غلّے کی فراہمی رک گئی۔

قریش کی یہ معاشی ناکہ بندی آہستہ آہستہ سخت ہوتی گئی۔ مکہ میں غلّے کا بھاؤ بڑھتا گیا۔ بھوک لوگوں میں پھیلنے لگی اور وہ سخت تکلیف میں مبتلا ہو گئے۔ انہیں اس خوف نے گھیر لیا کہ ان کی اولاد بھوک سے مر جائے گی۔ چنانچہ انہوں نے نبی علیہ السلام کو خط لکھا۔

"ہمارا آپ کے ساتھ یہ عہد تھا کہ آپ صلۂ رحمی کریں گے اور اس پر لوگوں کو اکسائیں گے..... آپ نے رشتوں کو توڑ ڈالا۔ باپوں کو تلواروں سے قتل کیا اور ان کے بیٹوں کو بھوک سے مار رہے ہیں۔ ثمامہ بن اثال نے ہمارا غلّہ روک کر ہمیں سخت تکلیف میں مبتلا کر دیا ہے۔ اگر آپ چاہیں تو اسے خط لکھ کر غلّے کی فراہمی جاری کروا سکتے ہیں۔"

نبی اکرمؐ کو ان کی حالت پر رحم آگیا۔ آپؐ نے ثمامہ کو خط لکھا اور قریش کو غلّے کی فراہمی جاری ہوگئی۔

ثمامہ بن اثالؓ کی زندگی اپنے دین سے وفا

دیکھ کر حضورؐ نے صحابہ سے فرمایا: "ثمامہ کو رہا کر دو۔" چنانچہ ان کی رسیاں کھول دی گئیں۔

ثمامہ مسجد نبوی سے نکل کر چل کھڑے ہوئے۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ مدینہ سے کچھ دور بقیع کے نزدیک ایک نخلستان میں پہنچ گئے۔ یہاں انہوں نے اپنی اونٹنی بٹھائی اور نہائے دھوئے اور مدینہ واپس لوٹ آئے۔ مسجد نبوی پہنچ کر انہوں نے توحید رسالت کی گواہی دی اور دین اسلام میں داخل ہوگئے۔

اس کے بعد ثمامہ رضی اللہ عنہ نبی علیہ السّلام سے مخاطب ہوئے اور کہا: "اے اللہ کے رسول! دنیا میں مجھے آپ کے چہرے سے زیادہ ناپسند کوئی چہرہ نہ تھا مگر اب آپ سے زیادہ مجھے کوئی چہرہ محبوب نہیں۔ واللہ آپ کے دین سے زیادہ مجھے کسی دین سے بغض نہ تھا، مگر اب اس سے زیادہ مجھے کوئی دین پسند نہیں۔ بخدا مجھے آپ کی بستی سے زیادہ کسی بستی سے نفرت نہ تھی مگر آج میری نظر میں اس سے زیادہ حسین اور خوبصورت بستی اور کوئی نہیں۔" پھر وہ تھوڑی دیر رکے اور کہا: "میں نے آپ کے ساتھیوں کا خون بہا رکھا ہے اب میرے ساتھ کیا معاملہ ہوگا؟"

نبی علیہ السلام نے فرمایا: "ثمامہ آج تم پر کوئی گرفت نہیں۔ اسلام لانے سے پچھلے گناہ ختم ہو جاتے ہیں۔" پھر آپؐ نے انہیں اس بھلائی پر مبارکباد دی جو اللہ نے ان کے لئے اسلام میں لکھی تھی۔

ثمامہؓ یہ خوشخبری سن کر نہایت خوش ہوئے اور کہا: "اللہ کی قسم! میں نے آپ کے ساتھیوں کو جتنے دکھ دیئے اب اس سے کہیں زیادہ تکلیف ان مشرکوں کو پہنچاؤں گا۔ اب میرا نفس، میری تلوار اور جو کچھ بھی میرے پاس ہے، آپ کی اور آپ کے دین کی سربلندی کے لئے وقف ہے۔ اے اللہ کے رسول! میں عمرہ ادا کرنے نکلا تھا کہ راستے میں مجھے آپ کے سواروں نے پکڑ لیا۔ اب مجھے کیا کرنا چاہئے؟"

"مکہ ضرور جاؤ مگر عمرہ اللہ اور اس کے رسول کے بتائے ہوئے طریقے پر کرنا اور انہی کے سکھائے ہوئے ارکان ادا کرنا۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا اور پھر انہیں عمرہ کے مناسک سکھائے۔ ثمامہؓ اپنی منزل مقصود کی جانب چل دیئے۔ مکہ پہنچ کر انہوں نے زور زور سے پکارنا شروع کر دیا۔

لبیک اَللّٰھُمَّ لبیک

میں حاضر ہوں، اے اللہ میں حاضر ہوں۔

میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں۔ میں حاضر ہوں۔

تعریف، نعمت اور بادشاہی تیرے ہی لئے ہے۔

کوئی نہیں جو تیرا شریک ہو۔

اس طرح ثمامہؓ کو مکہ میں سب سے پہلے باآواز بلند تلبیہہ کہہ کر داخل ہونے کا شرف حاصل ہوا۔

محفوظ رکھا۔ ثمامہ نبی علیہ السلام پر ہاتھ اٹھانے سے رک گئے مگر آپؐ کے صحابہؓ ان کے ہاتھوں سے محفوظ نہ تھے وہ انہیں نقصان پہنچانے کے درپے رہے اور آخر کار انہوں نے چند صحابہؓ کو قتل کر دیا۔ رسول اللہ صلی الہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی تو آپؐ نے ثمامہ کا خون حلال قرار دے کر انہیں قتل کرنے کی اجازت دے دی۔

اس واقعہ کو زیادہ مدت نہ گزری تھی کہ ثمامہ نے عمرے کا ارادہ کیا۔ وہ یمامہ سے نکل کر مکہ کی جانب چل دیئے۔ وہ سوچ رہے تھے کہ مکہ پہنچ کر کعبہ کے گرد طواف کریں گے اور وہاں رکھے بتوں کو قربانی کا نذرانہ پیش کریں گے۔ ثمامہ مدینہ کے قریب راستے پر پہنچے تو اچانک ایک ایسا حادثہ رونما ہوا جس کی انہیں توقع نہ تھی۔ ان دنوں نبی علیہ السلام کے حکم پر مختلف دستے مدینہ کے ارد گرد گشت کیا کرتے تھے تاکہ کوئی شخص رات کے اندھیرے میں مدینہ کے اندر گھس کر کوئی کارروائی نہ کرے۔ ایسے ہی ایک دستے نے ثمامہ کو دیکھ لیا۔ انہیں کچھ خبر نہ تھی کہ یہ شخص کون ہے۔ وہ انہیں پکڑ کر مدینہ لے آئے اور مسجد نبوی کے ایک ستون سے باندھ دیا۔ وہ منتظر تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیدی کے بارے میں کیا فیصلہ کرتے ہیں۔

اللہ کے آخری رسولؐ جیسے ہی مسجد میں داخل ہوئے، ان کی نظر رسیوں میں بندھے ثمامہ پر پڑی۔ آپ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا:

"جانتے ہو، تم لوگ کسے پکڑ لائے ہو؟"

"اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔" انہوں نے جواب دیا۔

آپؐ نے فرمایا! "یہ ثمامہ بن اثال حنفی ہے۔ اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو۔ پھر آپؐ اپنے گھر آئے اور جو کچھ کھانے کو میسر تھا، ثمامہ کے لئے بھجوایا۔ پھر آپؐ نے حکم دیا کہ ثمامہ کی اونٹنی کو صبح و شام دوہا جائے اور یہ دودھ اسے پیش کیا جائے۔ یہ تمام انتظامات کرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثمامہ کے پاس تشریف لائے۔ آپؐ کی خواہش تھی کہ انہیں آہستہ آہستہ اسلام کی جانب راغب کیا جائے چنانچہ آپ نے فرمایا: "ثمامہ! کہو کیا کہتے ہو؟"

"اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر آپ قتل کا ارادہ رکھتے ہیں تو میں نے خون بہا رکھا ہے تاہم اگر آپ معاف کر دیں تو مجھے شکر گزار پائیں گے اور اگر آپ مال کے خواہشمند ہیں تو جس قدر چاہیں میں ادا کرنے کو تیار ہوں۔"

یہ سن کر نبی علیہ السلام نے انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا۔ انہیں کھانا اور اونٹنی کا دودھ باقاعدگی سے ملتا رہا۔ دو دن کے بعد آپؐ دوبارہ ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا:

"ثمامہ! کہو کیا ارادے ہیں؟"

"میرا جواب وہی ہے جو میں دے چکا۔"

نبی علیہ السلام نے انہیں ایک بار پھر ان کے حال پر چھوڑ دیا۔ اگلے دن آپؐ نے دوبارہ اپنا سوال دہرایا مگر ثمامہ اپنے مؤقف پر قائم تھے۔ یہ

کیسا دوست کیسا دشمن

تحریر: ڈاکٹر عبدالرحمٰن رافت پاشا
ترجمہ: زبیر طارق

ہجرت کا چھٹا سال تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعوت کو وسیع پیمانے پر پھیلانے کا ارادہ فرمایا۔ چنانچہ آپ نے عرب و عجم کے آٹھ حکمرانوں اور اہم افراد کو خطوط لکھے۔ جن افراد کو یہ خطوط بھیجے گئے ان میں ثمامہ بن اثال بھی شامل تھے۔ وہ زمانۂ جاہلیت کے انتہائی بااثر افراد میں سے تھے اور ان کا شمار یمامہ کے انتہائی بارسوخ سرداروں میں ہوتا تھا۔

ثمامہ کو نبی علیہ السلام کا خط ملا۔ ان کے دل و دماغ میں غرور نے ڈیرے ڈال رکھے تھے۔ انہوں نے حق اور نیکی کی یہ آواز سننے سے انکار کر دیا۔ شیطان نے انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل پر اکسایا اور وہ انہیں اور ان کی دعوت کو زندہ درگور کرنے پر تل گئے۔ وہ منتظر تھے کہ حضورؐ غافل ہوں تو ان پر وار کریں اور بالآخر انہیں ایک ایسا موقعہ مل گیا۔ وہ اس قبیح جرم کا ارتکاب کرنے ہی والے تھے کہ ان کے چچا ثمامہ نے انہیں روک دیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کو شر سے

نعت

عامر خالق قریشی

خدا مجھے بھی تو ایسی زبان عطا کر دے
جو ترے روبرو تعریفِ مصطفیٰ کر دے
کرم یہ مجھ پہ خدارا ذرا صبا کر دے
کہ میرے حال سے حضرت کو آشنا کر دے
درِ حبیب پہ اللہ مجھ کو پہنچا دے!
یہ بندہ اپنی گدائی کا حق ادا کر دے
ملے جو کاش مجھے ان کا سایۂ دیوار!
الٰہی زیست کا میری کچھ آسرا کر دے
گدائی ہو درِ محبوب کی مجھے حاصل!
الٰہی کاش! یہ حاجت مری روا کر دے
یہی ہے آرزو میری، یہ دل کی حسرت ہے
یہ بندہ اسی در پہ جاں فدا کر دے
یہی تھی شان محمدؐ یا عظمتِ محبوب
کہ جبرائیل کو دربانِ مصطفیٰ کر دے

ماہِ رواں کی پہلی بات

"غلطی انسان ہی سے ہوتی ہے۔" یہ جملہ آپ نے اکثر سنا ہوگا۔ بھلا اس کے کیا معنی ہیں۔ یہی نا کہ حیوان غلطی نہیں کرتے، غلطی تو انسان ہی کرتے ہیں۔ اور یہ خوبی بھی انسان ہی میں ہوتی ہے کہ وہ اپنی غلطی کو تسلیم کر سکتا ہے اگر وہ تسلیم کرنا چاہے۔ چنانچہ ایک سُلجھا ہوا اور سمجھدار آدمی وہ ہوتا ہے جو اپنی غلطی کو مان لے اور پھر اسے درست بھی کر لے۔ اپنی غلطی پر ڈٹے رہنے والے ہٹ دھرم کہلاتے ہیں اور انہیں کوئی بھی اچھا نہیں سمجھتا۔

آدمی بڑا وہ ہے کہ جب اس سے غلطی ہو جائے تو فوراً معافی مانگ لے اور اگر قصوروار دوسرا ہو تو وہ اسے معاف کر دے۔ گویا معافی مانگنا اور معاف کر دینا دو ایسی صفتیں ہیں جن سے آدمی اللہ تعالیٰ کی نظروں میں محبوب ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کو وہ نیک دل لوگ بہت پسند ہیں جو اپنا غصہ پی جاتے ہیں اور دوسروں کے قصور معاف کر دیتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ دوسروں کو معاف کر دینا آسان نہیں ہوتا۔ جب کسی کے ہاتھوں ہمیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو قدرتی طور پر بدلہ لینے کی خواہش جاگ اٹھتی ہے۔ آدمی کا نفس اسے ابھارتا ہے کہ جیسی تکلیف تجھے پہنچی ہے ویسی ہی بلکہ اس سے زیادہ تکلیف تُو بھی اسے پہنچا۔ جو نقصان تُو نے اٹھایا ہے، کم و بیش وہی نقصان تیرے دشمن کو بھی پہنچنا چاہئے۔ معاف کر دینے کا مطلب یہ ہے کہ دشمن سے لڑنے سے پہلے آپ اپنے نفس سے لڑیں، اسے شکست دیں۔ اور آدمی کا نفس بڑا طاقت ور ہوتا ہے۔ اسے زیر کرنا بڑا مشکل ہوتا ہے۔ اپنے نفس کو آپ اسی وقت ہرا سکتے ہیں جب آپ کے دل میں اللہ کا خوف ہو۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بار بار کہا ہے کہ اگر تم معاف کر سکتے ہو تو معاف کر دو۔ سب سے اچھی بات تو یہی ہے۔ معاف کر دینے کے بڑے فائدے ہیں۔ سب سے بڑا فائدہ تو یہی ہے کہ آپ اللہ کی نظروں میں پسندیدہ ہو جاتے ہیں۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ لوگ آپ کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں کیونکہ آپ بدلہ لے سکتے تھے لیکن آپ نے بدلہ نہیں لیا۔ تیسرا فائدہ یہ ہے کہ جس نے آپ کو نقصان پہنچایا تھا، آپ کے طرزِ عمل سے وہ نادم ہوتا ہے اور آپ کو اخلاقی حیثیت سے اس پر برتری حاصل ہو جاتی ہے۔ چوتھا فائدہ یہ ہے کہ بدلہ نہ لے کر اور معاف کر کے آپ کو دلی سکون حاصل ہوتا ہے۔ ایک پاکیزگی اور اطمینان کا احساس آپ کے قلب اور روح میں پیدا ہو جاتا ہے۔ شاید بدلہ لے کر آپ مطمئن نہ ہوتے، ممکن ہے آپ کا ضمیر آپ کو ملامت کرتا لیکن معاف کر کے آپ ہر طرح کی ذہنی الجھن سے آزاد ہو جاتے ہیں۔ اور سب سے آخری اور اہم بات یہ ہے کہ دشمن کو معاف کر دینا ہی بہتر ہے کیونکہ ہمارے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے دشمنوں کو معاف کر دیا تھا۔ گویا معاف کر دینا سنتِ رسولؐ ہے۔ اور اس کا بڑا اجر ہے۔ کیا آپ یہ اجر سمیٹنا پسند نہ کریں گے؟

آپ کا دوست
ظفر محمود شیخ

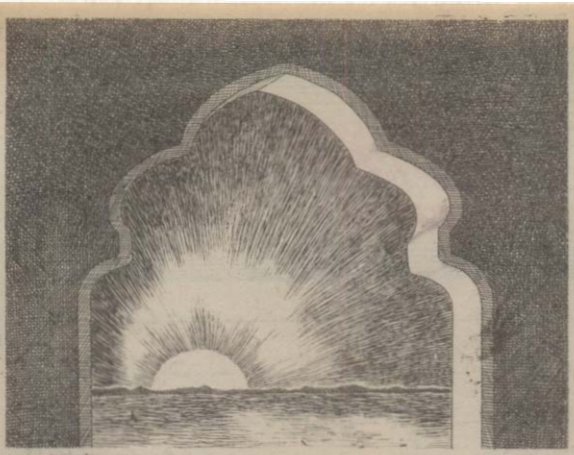

تاریخ کے دریچے سے

شاہجہاں کے زمانے میں شاہ الدولہ ایک مشہور فقیر گزرے ہیں۔ بادشاہ کی ہمیشہ یہ خواہش رہتی تھی کہ وہ انہیں بلا کر ان سے بات چیت کرے۔

ایک شام شاہجہاں بادشاہ آگرے میں اپنے محل کی چھت پر بیٹھا تھا کہ ایک درباری نے کہا "وہ دیکھئے! نیچے میدان میں فقیر شاہ الدولہ جا رہے ہیں۔" بادشاہ نے حکم دیا کہ ان سے جا کر کہو کہ آپ کو بادشاہ نے بلایا ہے۔

فقیر شاہ الدولہ نے بادشاہ سے ملنا منظور کر لیا۔ چنانچہ رسّا باندھ کر ایک ٹوکری نیچے لٹکائی گئی۔ فقیر اس میں بیٹھ گئے۔ ٹوکری اوپر کھینچ لی گئی۔

شاہجہاں نے فقیر کی بہت عزّت و توقیر کی اور انہیں اپنے پاس قالین پر بیٹھایا اور کہا "میں نے آپ کی نیکی اور بزرگی کی شہرت عرصے سے سُن رکھی ہے۔ آپ سے ملنے کا بہت خواہش مند تھا۔"

فقیر نے جواب دیا "اے بادشاہ! لوگ میرے متعلق مبالغے سے کام لیتے ہیں کسی کا چہرہ دیکھ کر کوئی اس کے دل کا حال نہیں بتا سکتا۔ میں تو ایک گناہ گار فقیر ہوں۔"

بادشاہ نے پوچھا "آپ کو اللہ کا قرب کیوں کر حاصل ہوا؟"

فقیر نے جواب دیا "آپ اپنی رعایا کے اس ادنیٰ خادم سے ملنا چاہتے تھے۔ چنانچہ جب اس کا موقع پہنچا تو آپ نے رسّا نیچے لٹکایا اور مجھے اوپر کھینچ لیا۔ یہی معاملہ اللہ کا ہے۔ وہ جن ہستیوں کو چاہتا ہے اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ وہ دلوں کے بھید جانتا ہے۔ اس کے لئے ایک انسان کی نسبت ایسا کرنا بہت آسان ہے۔ کتنا خوش قسمت ہے وہ انسان جو اللہ کے دکھائے ہوئے راستے پر گامزن ہو جائے۔ میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔ صرف اللہ کی دعوت پر لبیک کہا ہے۔"

حسنِ ترتیب

تاریخ کے دریچے سے ——— ادارہ — ۸

ماہِ رواں کی پہلی بات ——— اداریہ — ۹

نعت (نظم) ——— عامر خالق قریشی — ۱۰

کیسا دوست کیسا دشمن ——— زبیر طارق — ۱۱

خودی کیا ہے؟ ——— انتخاب ادارہ — ۱۶

ورلڈ کپ جیتنے کے بعد ——— سلیم خالق — ۲۱

بہت کوشش سے بہنا مجھ سے روٹھی ہے (نظم)۔ شاہدہ صدف — ۲۶

سب گدھے ہیں ——— منیر احمد راشد — ۲۸

یو ایف او کیا ہے؟ ——— نگہت آرا چوہان — ۳۳

درِ حیرت ——— ایاز محمود — ۳۵

کوہ قاف کے بونے ——— نہید یہ حسنی — ۳۸

پتنگ (نظم) ——— ناصر علی منصوری — ۴۱

تالاب کے آنسو ——— محمد عمر احمد خان — ۴۲

عکس ادھورے کیجئے پورے ——— ادارہ — ۴۶

دھوپ چھاؤں ——— محمد علی انصاری — ۴۹

صحت کا راز ——— محمد رافع — ۵۷

۶۰ — عبدالقادر ——— (نظم) چنگیز خاں کا سر

۶۲ — علی اکمل تصور ——— دوست میں بھول گیا تھا

۶۸ — لطائف ——— گلگلے

۷۵ — فاروق حسن چانڈیو ——— ہمدرد

۷۸ — ادارہ ——— امتحان ہے آپ کی ذہانت کا

۸۲ — سائرہ کنول ثناء ——— (نظم) بچے کا سوال

۸۳ — نعیم مشتاق نومی ——— بے کار کون؟

۸۶ — محمد فاروق منیر ——— ملاقات

۹۰ — فرزانہ روحی ——— دو مسافر

۹۳ — خطوں کے جواب ——— بخدمت جناب

۹۷ — محمد مدثر ——— ابلیس کی رفاقت

۱۰۰ — سہیل احمد صدیقی ——— راکٹ ٹیپو سلطان نے بھی استعمال کیا

۱۰۵ — احراز فاروقی ——— ایک حیرت انگیز طیارہ

۱۰۷ — ناڑا احمد ہاشمی ——— (نظم) صفائی

۱۰۸ — اشتیاق احمد ——— بچاؤ

۱۱۵ — ننھی تحریریں ——— قلم فرنتلے

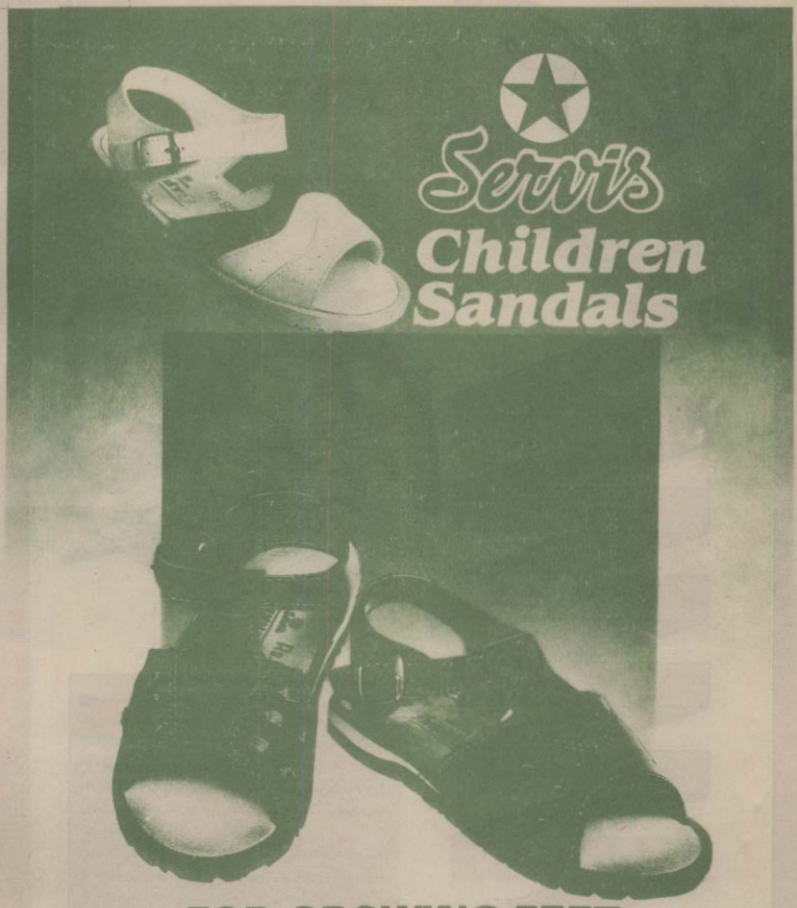
Servis
Children
Sandals
FOR GROWING FEET.

نئی نسل کے ادب کا بین الاقوامی معیار

آڈٹ بیورو آف سرکولیشن سے تصدیق شدہ اشاعت
رُکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی
رُکن پاکستان چلڈرن میگزین سوسائٹی

ماہنامہ

آنکھ مچولی

کراچی

جلد نمبر ۸ شمارہ نمبر ۵
جمادی الاوّل/جمادی الثانی ۱۴۱۴ھ نومبر ۱۹۹۳ء

مدیرِ اعلیٰ
ظفر محمود شیخ
منتظمِ اعلیٰ
تجمل حسین چشتی
منیجنگ ایڈیٹر
ایم اے فاروقی
مدیرِ اعزازی
طاہر مسعود
مجلسِ ادارت
منیر احمد راشد، محمد عمر احمد خان
نمائندہ امریکہ
عبدالرشید خان

○ ماہنامہ آنکھ مچولی میں شائع ہونے والی تمام تحریروں کے جملہ حقوق بحق ادارہ محفوظ ہیں۔ پیشگی اجازت کے بغیر کوئی تحریر شائع نہیں کی جا سکتی۔
○ ماہنامہ آنکھ مچولی میں شائع ہونے والی قرآن و حدیث پر مبنی تحریروں کے علاوہ کہانیوں کے کردار و واقعات فرضی ہیں۔ کسی اتفاقیہ مماثلت کی صورت میں ادارہ ذمہ دار نہ ہوگا۔
○ ماہنامہ آنکھ مچولی کو گرین گائیڈ اکیڈمی نے ضمیرالدین میموریل آرگنائزیشن کے زیرِ سرپرستی بچوں کی ذہنی اور علمی صلاحیتوں میں اضافے اور سیرت و کردار کی تعمیر کے لیے شائع کیا ہے۔

خط و کتابت کا پتہ ماہنامہ آنکھ مچولی، گرین گائیڈ اکیڈمی، ۱۔ پی آئی بی کالونی، کراچی ۵ (۷۴۸۰۰) فون: ۴۱۱۵۸۷

ناشر: ظفر محمود شیخ ○ طابع: زاہد علی ○ مطبع: لاریب پرنٹنگ پریس، ایم اے جناح روڈ کراچی

قیمت ۱۰ روپے
۷ درہم، ۷ ریال

leave
Don't it exposed
just SANIPLAST it
چھوٹا زخم فوری آرام
ہر زخم پٹی سنی پلاسٹ نہیں
خریدتے وقت اس بات کا
اطمینان کریں کہ دوکاندار نے
آپکو سنی پلاسٹ ہی دیا
ہے
SANIPLAST
SANIPLAST
Marketed by
UNIFEROZ

آنکھ مچولی کی جانب سے نئے سال کا شریر تحفہ

دلچسپ شرارتی کارٹون ○ شرارتی تصویریں ○ شرارتی مقابلے ○ مزید امضامین اور کہانیوں سے مزیّن

شرارت نمبر

جنوری ۱۹۹۴ء میں منظرِ عام پر آرہا ہے

- بڑے لوگوں کے بچپن کی شرارتیں
- بچّوں کی بڑوں سے شرارتیں
- اور ہاں جانوروں کی بھی حیران کُن شرارتیں

اِس کے علاوہ ایک عدد شرارتی تحفہ

آپ نے بھی یقیناً کوئی نہ کوئی شرارت کی ہوگی۔
اپنی شرارت ہمیں لکھ بھیجئے ـــــ ہم اسے شائع کریں گے۔

ـــــ بشرطیکہ شرارت میں "شر" نہ ہو؛
ـــــ یہ شرارت کسی کو تکلیف پہنچانے والی نہ ہو؛

اِس شمارے میں کچھ شرارتیں آنکھ مچولی کی جانب سے بھی ـــ ہوشیار رہیئے گا ـــ

نت نئے نمبر پیش کرنے میں آنکھ مچولی کا کوئی حریف نہیں

ادارہ ہر قابلِ اشاعت تحریر کا معاوضہ دیتا ہے

اپنا شمارہ آج ہی بک کرا لیجئے

بہادر اور جیالے
کوئٹس کے متوالے

قیمت
RS. 6 -

پیارے دوستو!

نینجا ٹرٹلز کا ایک اور کارنامہ

کوئٹس کی نرالی SOFT DRINKS

آپ کے پسندیدہ نینجا ٹرٹلز آپ کے لئے چار مزیدار

اور لاجواب ذائقے لائے ہیں

اورنج کولا آئس کریم سوڈا لیچی

NON-RETURNABLE بوتلوں میں

نہ DEPOSIT کا جھگڑا،

نہ بوتل واپس کرنے کی زحمت

گڑیا، پپو، امی، ابو، سب کی پسند

کوئٹس® بہترین

نئی نسل کے ادب کا بین الاقوامی معیار
ماہنامہ
آنکھ مچولی
کراچی
نومبر ۱۹۹۳ء
کرکٹ کے جادوگر
انضمام الحق کا دلچسپ انٹرویو
اڑن طشتریاں کیا ہیں
حیرت زدہ کر دینے والا مضمون
برائن بنی ڈائن
تصویریں دیکھ کر ڈر نہ جائیے گا.
کوہ قاف کے بونے
چھوٹے مگر ڈراؤنے
چنگیز خان کا سر
ایک مزیدار نظم
ٹیپو سلطان
رنگ برنگی تصویریں
چٹپٹی تحریریں